بسم اللہ الرحمن الرحیم

گذارشِ احوال

اعترافِ عظمت کے لئے بھی باعظمت انساں ہونا ضروری ہے۔
میں نے مصر کی روایتی بڑھیا کی طرح یوسف کی خریداری کا کئی بار عزم کیا یعنی
چاہا کہ ماہِ عرب کی سیرت لکھوں۔ لیکن مادح اور ممدوح میں ذرہ اور آفتاب
کا فرق پاکر ہر بار ہمت ہار دی۔ جب میں اس دفعہ گرفتار ہوکر سنٹرل جیل میں
آیا تو طبیعت نے تنہائی کا مشغلہ تلاش کرنا شروع کیا۔ ابھی کچھ فیصلہ نہ کرنے
پایا تھا کہ میرا تبادلہ لاہور سے ملتان بورسٹل جیل ہو گیا۔ چند ہی روز میں
میری روح میں خوشگوار انقلاب پیدا ہو گیا۔ مجھے ایامِ اسیری یوں معلوم
ہونے لگے۔ گویا موسمِ بہار میں حرمِ محبت کے گھر میں محبوب اچانک آگیا ہو۔
اور وہ استقبال کی خوشی اور دیدار کی حیرت میں ادھر ادھر پھر رہا ہو۔ انہی
کیفیتوں میں میں نے جیل کے ساتھیوں مولانا حبیب الرحمن صاحب مولانا
سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا مظہر علی صاحب اظہر،
اور مولانا عبدالرحمن گوندی کے ایما پر اس کتاب کو شروع کیا۔ تھوڑے

ہی عرصہ کے بعد پھر میرا تبادلہ ملتان سے راولپنڈی جیل ہوگیا۔ قدرت کو منظور تھا کہ میں یہاں کے دوستوں کو چھوڑ کر ایک اور غریب الوطنی کا میں تنہائی ہوں۔ راولپنڈی جیل میں ایک کم سن اور کم عمر بنگالی نوجوان ڈاکٹر رس ۲۵ سال کی لمبی قید کاٹ رہا تھا۔ وہ نوجوان تھا۔ لیکن علم اور ایثار میں اپنا جواب آپ تھا۔ وہ وطنِ عزیز کی آزادی کا ذکر جس جذبے سے کرتا تھا۔ اس کی داد دینے کے لئے موزوں الفاظ نہیں ہیں۔ اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات سے بڑا شغف تھا۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر متعدد انگریزی کتابیں اس کے پاس ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ مجھے اس کے ذخیرۂ کتب سے بہت ہی فائدہ پہنچا علاوہ ازیں سیرت النبی مصنفہ مولانا شبلی نعمانی ہر وقت پیشِ نظر رہی۔ عربی عبارتوں کے تراجم اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

محبت ساعتوں کی پابند نہیں ہوتی اور اکثر اوقات ادب واحترام کی حد، دلبے سری میں نظرانداز ہو جاتی ہیں۔ میں نے شوقِ محبت کے باوجود انتخابِ الفاظ میں احتیاط برتی ہے۔ اگر کہیں بے احتیاطی برتی گئی ہو تو مجھے اطلاع دی جائے تاکہ دوسرے ایڈیشن میں تصحیح ہو سکے۔

فضل حق

دیارِ حبیبؐ

ذکرِ حبیب سے پہلے دیارِ حبیبؐ کا مذکور تقریبِ سخن کے طور پر
ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عقیدت مند آنکھ خاکِ عرب کو جب محبت بھری
نظروں سے دیکھتی ہے تو یثرب و بطحا کا ذرہ ذرہ آفتابِ جہاں تاب
بن کر چمکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نبیؐ کے مولد و مدفن پر نور کے
روشن طبق لے کر اترے ہیں اور مکہ و مدینہ کی گلیاں ضیا پاشیوں سے بقعۂ
نور بن گئی ہیں۔ عرب جو روحانیوں کی نگاہ میں ہزار حسن اور لاکھ جلووں کی
جنت نگاہ ہے چشمِ دنیا دار اس کے نظارۂ ظاہرہ سے گھبرا اٹھتی ہے۔
اور زبان پکار کر کہتی ہے کہ عرب تو سر تا سر صحرا ہے، یہاں تپتی ریت سے
آتش زباں بگولے اٹھتے ہیں اور زہریلی ہوائیں جھکڑ بن کر چلتی ہیں
کوہستانی سلسلے جو دوسری جگہ ہمیشہ روح افزا اور نظر افروز ہوتے ہیں
یہاں چٹیل پہاڑیاں بن کر رہ جاتے ہیں پانی کی نایابی انسانی آبادی کے
لیے مشکلات پیدا کرتی ہے لوکی لپٹ میں کھجوروں کے سوا کوئی درخت

سرسبز نہیں ہوتا۔ ہاں سمندر کے کنارے کچھ جاں پر سبزی و شادابی
دکھائی دیتی ہے۔ جہاں آوارہ و سرگرداں قبائل ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔
کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی ہیں ان کی کھیتی باڑی کی ساری امید
بارانِ رحمت پر ہے۔ وقت پر برس گیا تو جنگل میں منگل، ورنہ انتظار ہی
میں موسم ختم ہو جاتا ہے۔

ملکِ عرب محلِ وقوع کے لحاظ سے ایشیا کا جنوبی حصہ ہے۔
شکل کے لحاظ سے مستطیل جنوب میں زیادہ شمال میں کم۔ اس کے
مغرب میں بحیرۂ قلزم مشرق میں خلیجِ فارس اور بحیرۂ عمان، جنوب میں
بحرِ ہند اور شمال میں ملکِ شام ہے۔ اس خطے کا مجموعی رقبہ تقریباً بارہ
لاکھ مربع میل ہے۔

عرب دنیا سے تقریباً بالکل جدا اور اس کے ملکی حالات دوسرے
ملکوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اس کے گرد پانی کے قلزم اور اندر ریت
کے سمندر۔ اس میں سیاح کے لیے کوئی دلچسپی ہے نہ فاتح کے لیے
کوئی کشش۔ ضروریاتِ زندگی کی کمیابی اور اوقات کی فراغت نے
ہر عرب کو شاعر، شجاع اور شوریدہ سر عاشق بنا رکھا تھا۔ مشاغل کی کمی کی وجہ
سے ان وسیع وقتوں کو گزارنے کا طریقہ اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔ شاعر
مضامین کے دریا سے موتی نکال کر وقت گزارتا، بہادر جان کی
ہولی کھیلنے میں عمر کھوتا۔ اور عاشق کسی آہوئے صحرا کے خیال میں صبح
سے شام کر دیتا۔ دنیا کے بیکاروں کے لیے یہی اہم کام ہیں جو عمر

کھو کر بھی انجام نہیں پاتے۔ علم جو اصلی جوہر ہے اس سے تمام عرب محروم تھا۔ تمام آبادی نوشت و خواند سے بے بہرہ تھی۔ ہاں شاعروں نے عربی زبان کے جوہر خوب چمکائے۔ جو کہ ہر قبیلے میں شاعر موجود تھا۔ اس لیے ہر گروہ کی زبان ایسی منجھ گئی کہ اہلِ عرب فصاحت میں اوروں کو اپنا ہمسر نہ سمجھتے تھے اور اپنی بلاغت کی بنا پر باقی دنیا کو "عجم" یعنی گنگ کہتے تھے۔

عرب کی شاعری کی کل کائنات سحرِ نسب، اظہارِ عشق اور اعلانِ جنگ تھی ان کے تخیل کی پرواز قصائد، رجز اور غزل کی محدود دنیا سے بلند ہوئی تھی۔ ان کا جذبہ خودستائی اپنے یا اپنے قبیلے کے کارہائے نمایاں بیان کرتے وقت شریفانہ جذبات اور پاک اخلاق کا حامل نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اکثر اوقات عورتوں کی عصمت بگاڑنے، ڈاکہ ڈالنے اور ظلم کرنے پر بھی فخر کیا جاتا تھا۔ عوام کی بدذوقی کا یہ عالم تھا کہ اخلاقِ ذمیمہ کی اس علانیہ تبلیغ پر بھی شاعر کی گرمیِ سخن کی داد دیتے اور واہ واہ کرتے تھے۔

بے شک عرب جنگجو اور شجاع تھے۔ مگر جنگ و جدال کے محرکات عموماً رذیل احساسات ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات تو قابل ہیں وجہ جنگ موجود بھی نہ ہوتی تھی۔ مگر جنگ جاری رہتی تھی۔ کبھی کھڑے کھڑے کسی ادنیٰ سی بات پر دو دوست بگڑ جاتے اور تلواریں سونت کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور مدد کے لیے اپنے اپنے قبیلوں کو پکارتے تھے۔ جو سنتا تھا شمشیرِ برہنہ کھینچے شریکِ جنگ ہو جاتا تھا۔ کوئی

بھیجا۔ آں حضرت کے غلام حضرت زید بن حارثہ دین و دنیا کے
آقا کو بچاتے بچاتے خود زخمی ہو گئے۔ تاہم اس بارِ عزیز اور متاعِ گراں
کو جوں توں لے کر نخلہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں آں حضرت نے چند دن
قیام فرمایا۔ اور پھر مکہ تشریف لے گئے۔

پیغمبر کا ہر عمل درس کی ایک دنیا ہوتا ہے۔ جو لوگ گوشِ ہوش
رکھتے ہیں۔ وہ آں حضرت کے دہانِ زخم سے تیرہ سو سال کی نکلی ہوئی اور
فضا میں بکھری ہوئی آواز کو اب بھی سن سکتے ہیں۔ کہ محمد خالقِ ارض و سما کے
بس میں ہے۔ مگر خالق مخلوق کے بس میں نہیں۔ دنیا کے قوی اور جری نبی
اور ولی سب اس کے تابعِ فرماں ہیں کوئی اس کی مصلحت اور رائے کا
مالک نہیں۔ طائف میں آں حضرت کی بے بسی کی اس نمائش سے یہ بات
پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی۔ کہ کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی خدا کی خدائی میں
تصرف نہیں کر سکتا۔

فطرتِ انسانی کا بعض تماشا آ جاتا تھا۔ کہ امرا الا ماشاء اللہ ہر خیر
کی قابلیتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ طائف میں جانا یا نہ جانا اگر ان کے
بس کی بات ہوتی تو شاید ادھر کا رخ نہ کرتے مگر پیغمبروں کا ارادہ کسی اور
ارادے کے ماتحت ہوتا ہے۔ وہ جاتے نہیں بلکہ لے جائے جاتے
ہیں۔ پیغمبر کو تو امیر و غریب تک پیغام پہنچانا ہوتا ہے۔ عمل کرانا اس کا
فرض نہیں علاوہ ازیں مشیت اس حقیقت کو اور واشگاف کرنا چاہتی تھی
کہ ہاتھی سوئی کے ناکے میں سے گزر سکتا ہے۔ مگر دولتمند کے لیے حس

میں جاحاصل نہیں۔ یہ سچائی بہت سے پیمبروں نے بیاں کی حضور کے عمل سے مکہ اور طائف میں ظاہر ہوئی۔ دونوں مقامات کے امراء کی مخالفت، امت کے ارباب اقتدار کے لیے تنبیہ ہے۔ یاد رکھو دولت اور اقتدار حرام نہیں ہاں ان کا نشہ حرام ہے۔ دنیا کماؤ تو امت کے کام میں لاؤ، خود استعمال کروگے تو خمار چڑھے گا۔ دنیا کی ہوس کھو کر عاقبت خراب کروگے۔

طائف میں حضور کا ورود جہاں اُمرا کے لیے تنبیہ ہے وہاں علما کے لیے درس عبرت ہے۔ خُدا کی بندگی کا دعویٰ محض زبانی عبادت پر موقوف نہیں۔ بلکہ پتھروں کی بارش میں خون سے وضو کر کے نماز کی نیت کرنا پڑتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔ کہ کار دنیا سے کار دین مشکل ہے۔ تقویٰ فروشیوں اور عبادت گذاریوں کی نشر و اشاعت سے متبعین کی تعداد میں اضافہ کرنا دین نہیں۔ ہاں جان کاہ خدمت گذاریوں سے بنائے ملت کو استوار کرنا باعث اجر ہے۔ اِس شمع ہدایت کی روشنی میں دین کا دشوار گذار راستہ ڈھونڈو۔ اِدھر اُدھر ہٹنے میں ٹھوکر کا احتمال ہے۔ حجروں سے نکل کر میدان میں آؤ۔ میدان ہی مخلص اور ریاکار کی امتحان گاہ ہے۔ اسلام کو دین مسیحی نہ تصور کرو۔ ایسا نہ ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبتوں کو ملت کے گناہوں کا کفارہ سمجھ کر خود تن آسانیوں اور راحت پسندیوں میں مبتلا ہو جاؤ۔

اس وقت تک تو لوگ انفرادی طور سے دین متین میں داخل ہوتے

قائل

رہے۔ مگر اس کے بعد اجتماعی قبولیت کا باب وا ہونے والا تھا آں حضرت
کا معمول تھا کہ ایامِ حج میں زائرینِ حرم کے پاس جا کر تبلیغ فرمایا کرتے تھے
اس کے علاوہ آپ عام اجتماعات میں بھی تشریف لے جاتے تھے
تاکہ حق کے جویا لوگ حقیقی تا، مانی کی راہ پائیں۔ دعوتِ حق کے جواب
میں رؤسائے قبائل یا تو روکھا سوکھا جواب دیتے رہے۔ یا بڑی مہربانی
کی تو ٹال دیا۔ چنانچہ آں حضرت بنی حنیفہ کے پاس جو یمامہ میں آباد تھے گئے
تو وہ اس نرم گفتار آقا سے گرم گرم بولے۔ قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے
پاس حضرت ابوبکر صدیق کو لے کر پہنچے۔ تو وہ لوگ بڑی مروت سے
پیش آئے ان میں سے ایک شخص مفروق نامی نے آں حضرت سے
پوچھا کہ تم کیا تلقین کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ خدا ایک ہے اور میں
اُس کا پیمبر ہوں۔ اور یہ آیتیں پڑھیں۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ	کہہ دو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ خدا
رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا	نے کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ یہ کہ خدا کے
بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا	ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کا
وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ	حق خدمت بجا لاؤ۔ اور اپنے بچوں کو
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا	افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو ہم تم
تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا	کو اور اُن کو دونوں کو روزی دیں گے
وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ	فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ۔ وہ ظاہر
الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ	ہوں یا پوشیدہ۔ اور آدمی کی جان جس کو

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الانعام)	خدا نے حرام کیا ہے۔ ہلاک کرو مگر جائز طور پر۔ ان باتوں کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

انہوں نے یہ سن کر مرحبا کہی مگر آبائی دین چھوڑنے سے معذرت چاہی۔

پھر حضورؐ قبیلہ عامرہ کے پاس گئے۔ وہاں میں سے ایک دنیادار لیڈر فراس نامی بولا کہ اے کاش! یہ شخص مجھ کو ہاتھ آجائے تو میں تمام عرب کو مسخر کرلوں۔ پھر آپ سے پوچھا۔ کہ اگر مخالفوں پر غالب آ گئے تو حکومت ہم کو دوگے؟ ہر طرح کے فریب سے پاک پیغمبرؐ نے فرمایا۔ یہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ فراس بولا۔ مریں ہم اور حکومت غیروں کو ملے! یہ سودا مہنگا ہے۔

انہی گھنگھور مایوسیوں میں امید کی پہلی کرن پھوٹی۔ آں حضرت صلعم ایام حج میں اسی طرح تبلیغ دین میں پھرتے پھراتے مکہ کے قریب مقام عقبہ کے پاس پہنچے تو آپ کو چند سعید روحیں نظر پڑیں۔ آپ نے ان کا حسب نسب نام مقام پوچھا معلوم ہوا کہ یہ خاک پاک مدینہ کے رہنے والے بنی خزرج کے قبیلہ کے لوگ ہیں۔ حضورؐ نے ان کو دعوت دین دی اور کلام پاک سنایا۔ نیک دلوں میں کلام الٰہی اور زبان پیغمبرؐ نے کیا اثر کیا۔ گویا گلزاروں میں بہار آگئی۔ پیارے نبیؐ نے جو کہا۔ لوگوں نے گوش ہوش سے سنا اور قلب صمیم سے قبول کیا۔ یہ فرشتہ سیرت انسان

صورت کوں لوگ تھے؟ عقبہ بن عامر۔ اسعد بن زرارہ۔ عوف بن حارث
رافع بن مالک بن عجلان۔ قطبہ بن عامر۔ جابر بن عبداللہ۔
عقیدت نے کہا: "دیکھو یہ تہی دست آئے تھے۔ دامنوں میں
دولتِ دیں بھر کر چلے ہیں"۔ رافع بن مالکؓ کا ستارہ سب سے زیادہ چمکا
اس وقت تک جس قدر قرآں اُتر چکا تھا حضور نے انہیں عطا کیا۔ پھر
تبلیغ اسلام کا وعدہ کر کے یہ چھوٹا سا پاک قافلہ شاداں و فرحاں مدینہ پہنچا
اور یثرب کی گلی کوچوں میں دیں کی دولت چپکے چپکے تقسیم ہونے لگی۔
ادھر مکہ میں قریش کے کفر کی آندھیاں اور تیز ہو گئیں۔ گرد و پیش بدستور
تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ تاہم آں حضرت کی نظر مدینہ کی طرف لگی رہی کہ شاید
یہیں سے روشنی کی باطل پاش کرن نکلے۔ ایک سال یوں ہی بیم و رجا
میں گذر گیا۔ لیکن یثرب سے کوئی خوشخبری نہ آئی۔ اب پھر حج کا موقعہ
آیا۔ تو آپ بصد شوق اس نووارد قافلے میں جا کر ان چیدہ نورِ ایماں پانے
والوں کو ڈھونڈھنے لگے۔ ادھر مدینہ سے بارہ اشخاص کا مختصر قافلہ
حضورؐ کی زیارت کے لیے مکہ پہنچ چکا تھا۔ اور تلاش میں سرگرداں تھا۔
خدا کی مہربانی سے یہ چاند اور ستارے عقبہ کے مقام پر اتفاقاً جمع ہو گئے
اور وہیں اس ماہتاب کے گرد حلقہ سا کر بیٹھ گئے۔ ان میں پانچ تو پہلے
سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور سات نومسلم۔ سب نے آں حضرت کے
ہاتھ پر بیعت کی اور اقرار کیا کہ (۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے
اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے (۲) چوری اور زنا کے پاس نہ پھٹکیں گے

(۳) اپنی لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے (۴) کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گے (۵) چغلخوری سے باز رہیں گے (۶) ہر اچھی بات میں نبی کی اطاعت کریں گے۔ یہ بیعت بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بعثتِ نبوی کا بارھواں سال ہے۔ ان مسلمانوں کی درخواست پر حضورؐ نے مصعب بن عمیر کو مبلغ بنا کر مدینہ بھیجا۔ تاکہ اسلام کے احکام کو یثرب میں عام کریں۔ مصعب بن عمیر علم کے دریا حلم میں یکتا تھے۔ اس نرم مزاج اور شیریں مقال کی باتیں دلوں میں چپکے چپکے گھر کرنے لگیں۔ اور دیکھتے دیکھتے مدینہ میں گھر گھر چرچا ہو گیا۔ جو لوگ تیغ و سناں سے مفتوح نہ ہو سکتے تھے۔ ان کے دل میٹھی باتوں سے مسحور ہو گئے۔ اسعد بن زرارہ کا مکان تبلیغ کا مرکز تھا۔ لوگ یہاں مخالفت کے لیے آتے۔ مگر موافق بن کر جاتے تھے۔ مدینہ کی ایمان پرور اور کفر سوز سرزمین ایک سال میں اسلام کا گہوارہ بن گئی۔ اگلے سال دینِ پاک کا یہ کامیاب مبلغ تہتر مرد اور دو عورتوں کا قافلہ لے کر حج کے موقع پر مکہ پہنچا۔ تاکہ حضور کو اسلام کی ترقی کی خوشخبری بھی سنائے۔ اور آپ کے دیدار سے نورِ ایمان کو تازہ بھی کرے۔ یہ تہتر مرد و زن اپنے باقی بت پرست ساتھی قافلہ والوں سے الگ ہو کر مقامِ عقبہ پر آئے۔ آں حضرت کو ان کے آنے کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی چنانچہ حضورؐ قریش سے چھپ چھپا کر حضرت عباسؓ کے ہمراہ عقبہ (منیٰ) پہنچے۔ ان سب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضورؐ اپنے قدومِ میمنت لزوم سے سرزمینِ مدینہ کو فخر بخش کہ ہمیں سرفراز فرمائیں۔ سرکارِ دو عالم نے

منظور فرمالیا حضرت عباسؓ جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے مگر دل سے
ہمدرد تھے۔ اس موقع پر کھڑے ہوئے اور تقریر کی کہ لے گروہِ خزرج
محمد اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ
اُن کے لیے سینہ سپر رہے۔ اب وہ تمہارے پاس جا رہے ہیں۔ اگر
مرتے وقت تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی جواب دے دو۔
براء نے یہ تقریر سن کر کہا۔ اے عباس ہم نے تیری بات سنی۔ تو ہماری
بھی یاد رکھ کہ ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ ابوالہیثم نے
بات کاٹ کر کہا کہ یا رسول اللہ ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اقتدار حاصل ہو۔ تو
اب ہمیں چھوڑ کر وطن چلے آئیں۔ یہود کے ساتھ جو اس وقت تک ہمارے
تعلقات ہیں وہ بھی اس بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے حضور نے
مسکرا کر فرمایا۔ نہیں تمہارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے ہو اور میں تمہارا۔
حضور کے ارشاداتِ عالیہ سن کر سب نے بیعت شروع کی۔ عباس بن عبادہ
انصاری نے پکار کر کہا۔ صاحبو خبردار رہو کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔
یہ عرب و عجم جن وانس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ سب نے آواز
بلند کہا کہ ہاں ہم حالات کو سمجھ کر بیعت کر رہے ہیں۔

مکہ کے شریف اور مدینہ کے ان نجیب لوگوں میں جو پیمان وفا بندھا
وہ پیمانہ عمر لبریز ہونے تک نہ ٹوٹا۔ ایک وقت وہ تھا جب زمین پر سرکش
کی بارش ہوتی تھی۔ اعضا کٹ کٹ کر فرشِ خاک پر گرے تھے۔ اور خون
کے چھینٹے اُڑتے تھے۔ پھر وہ وقت آیا جب قیصر کے دروازے کھل

گئے اور اقبال سے آکر اسلام کا قدم جما۔ مصیبت اور اقتدار دونوں حال میں یہ عہد استوار رہا۔ آں حضرت نے اِن مبایعین میں سے حسب ذیل بارہ سردار مقرر فرمائے تاکہ مسلمانوں میں نیکی کا چرچا رکھیں۔ اور لوگوں کو بُرائی سے روکیں۔

نام	کیفیت
۱۔ اسید بن حضیر رض	جنگِ بعاث میں ان ہی کے باپ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔
۲۔ ابوالہیثم بن تیہان رض	
۳۔ سعد بن خیثمہ رض	جنگِ بدر میں شہید ہوئے۔
۴۔ اسعد بن زرارہ رض	ان کا ذکر آچکا ہے۔ یہ امامِ نماز تھے۔
۵۔ سعد بن الربیع رض	جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔
۶۔ عبداللہ بن رواحہ رض	مشہور شاعر ہیں۔ جنگِ موتہ میں شہید ہوئے۔
۷۔ سعد بن عبادہ رض	معزز اور مشہور صحابی ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انہی نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔
۸۔ منذر بن عمرو رض	بئر معونہ میں شہید ہوئے۔
۹۔ براء بن معرور رض	بیعتِ عقبہ میں انہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی۔ آں حضرت صلعم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔

تو اس پر بہار گلزار کا اک شگفتہ پھول خدا کی ندر کروں گا جب دس مولود لڑکے جوان ہوئے۔ تو منت پوری کرنے کا وقت آ گیا عبدالمطلب بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے پجاری سے کہا کہ قرعہ ڈالو جس کے نام پر قرعہ نکلے وہی بھینٹ چڑھایا جاوے۔ خدا کی حکمت کہ محبوب ہی کے باپ عبداللہ کے نام قرعہ نکلا چنانچہ باپ اسی محبوب درگاہ بیٹے کو قربان گاہ کی طرف لے چلا۔ بہنوں نے بھائی کی محبت میں رو رو کر ساون بھادوں کی جھڑی باندھ دی کیا تعجب تھا کہ باپ کا عزم بیٹیوں کے آنسوؤں کی روانی میں بہ جاتا یا بھائی کا دل بہنوں کے بین سن کر بیٹھ جاتا مگر ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کا ایثار پیش خاطر تھا خلیل اللہ و ذبیح اللہ کا خون رگوں میں دوڑتا تھا۔ نہ باپ رکا نہ بیٹا ہچکچایا۔ تاہم جب وہ قربان گاہ کی طرف بڑھے تو بزرگان قریش کے دل میں یہ خدشہ گذرا کہیں بیٹوں کی قربانی خاندانی رسم نہ ہو جائے۔ برادری میں برابری کے دعوٰی کے لئے پاک نہیں رہی جو کام آج عبدالمطلب کرے گا وہ کل سب کو کرنا ہوگا۔ چنانچہ عبدالمطلب پر زور دیا گیا کہ عبداللہ کے عوض دس اونٹ قربان کر دیئے جائیں۔ عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا۔ پھر بھی قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ آخر معاوضہ بڑھاتے بڑھاتے سو اونٹ تک نوبت پہنچی تو قرعہ اونٹوں پر جا کے نکلا۔ اس طرح عبداللہ بچ گئے اور فدیہ میں سو اونٹ قربان کئے گئے۔

جب مہنگی جنس اس طرح سستی ہاتھ آئی تو رشتے کی تلاش ہوئی

قبیلۂ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی یعنی عالی نژاد آمنہ
اور عبداللہ کے سنجوگ پر سب رضامند ہوگئے۔ چنانچہ سترہ برس کی عمر
میں عبداللہ کا نکاح بی بی آمنہ سے ہوگیا۔ دستورِ عرب کے مطابق عبداللہ
تین دن سسرال میں رہے پھر گھر چلے آئے قضا نے مکہ میں زیادہ ٹھہرنے نہ
دیا عبداللہ تجارت کی غرض سے شام گئے۔ واپسی پر مدینہ میں ٹھہرے بیماری کا
بہانہ ہوا۔ دراصل موت کا وقت آگیا تھا خاک کی چادر اوڑھ کر یہیں لیٹ گئے۔
مکہ سارے عرب کا مذہبی مرکز اور مرجعِ خلائق بنا ہوا تھا یمن کے حبشی حاکم
ابرہہ کو رشک ہوا اس خیال سے کہ عقیدت یہیں کیوں طواف کر رہی ہے۔
اور یقیں مکہ ہی میں کیوں سربسجود ہے سخت بیقرار رہتا تھا۔ چنانچہ حرمِ
کعبہ کے مقابلے میں یمن میں ہی ایک بڑا معبد بنایا۔ جو باوصف ہزار کوشش
کے خانۂ خدا کا بدل نہ بن سکا۔ ایک حکومت کا غرور دوسرے تعصب کا جنون
دونوں نے مل کر اس کی شرابِ نخوت کو دوآتشہ کر رکھا تھا حرمِ کعبہ ڈھانے
کی نیت سے سیلِ وقت کے بادل کی طرح گرجتا کڑکتا ہوا اُٹھا ہاتھیوں
کی فوج لے کر جھومتا جھامتا بڑھا اور کالی گھٹا کی طرح عرب پر چھا گیا۔ اہل
مکہ کی عظمت کا انحصار تو محض حرم کی برکت پر تھا اِس خبرِ وحشت اثر کو سن کر
سب کا رنگ فق ہوگیا۔ ابرہہ کی باقاعدہ فوج سے مقابلہ کی تاب و تواں
نہ تھی۔ حیراں تھے کہ کیا کریں اور کس کی سفارش لائیں۔ اتنے میں لشکریوں
نے شہریوں کے مویشی کو دولتِ خداداد سمجھ کر لوٹنا شروع کر دیا اور کسی لے
عبدالمطلب کے سو اونٹ بھی ہتیا لیے عبدالمطلب ابرہہ کے پاس پہنچے

طلوع

وجدان نے چودہ سو سال کی الٹی زقند لگا کر پہلے زمانہ کے واقعات کو تخیل کی نظر سے دیکھا۔ دنیا بداعمالیوں سے ظلمت کدہ بنی ہوئی تھی کفر کی کالی گھٹا ہر طرف تلی کھڑی تھی عصیاں کی سحلباں آسمان پر کوندتی تجلس نیکی نفس کی طغیانیوں میں گھری ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ راہ سے بھٹکی ہوئی آس اور یاس کی حالت میں ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ کہیں روشنی کی کرن پھوٹے اور اُسے سلامتی کی راہ مل جائے۔ وہ کفر کے اندھیرے میں ڈرتے ڈرتے قدم اُٹھا رہی تھی۔ دیکھو وہ چند قدم چل کر رک گئی۔ سر راہ دو زانو ہو کر عالمِ یاس میں سینے پر ہاتھ باندھے گردن جھکائے مصروفِ دعا ہو گئی۔ اور نہایت عجز اور الحاح سے بولی اے نور و ظلمت کے پروردگار! میں غریب اس پُرہول اندھیرے میں کب تک بھٹکتی پھروں۔ اے آقا! اپنے کرم سے اس نور کا ظہور کر۔ جو ظلمت کدۂ دہر کو منور کر دے۔ وہ نور پیدا کر۔ جو بے بصر کو طاقتِ دید بخشے۔ اس نے آمین آمین کہہ کر سر جھکایا۔ یک بیک اس کے دل میں خوشی کی لہر اُٹھی اور اس کے رخسار نو شگفتہ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح شاداب نظر آنے لگے۔ کیونکہ اسے قبولیتِ دعا کا القا ہو رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ ستاروں سے

زیادہ روشن آنکھیں اُٹھائیں۔ کفر کی گھٹائیں چھٹ رہی تھیں اُفق مشرق پر محبت کی کہانی سے زیادہ دلکش لو پھوٹ رہی تھی آفتاب ہدایت کے طلوع کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

۲ اپریل ۵۷۱ئہ مطابق ۹ ربیع الاول دوشنبہ کی مبارک صبح کو قدسی آسماں پر جگہ جگہ سرگوشیوں میں مصروف تھے کہ آج دعائے خلیل اور نوید مسیحا مجسم ہو کر دنیا میں ظاہر ہوگی۔ حوریں جنت میں زینت حُسن کیے بیٹھی تھیں کہ آج صبح کائنات کا نظارہ نمودار ہوگا جس کے عالم وجود میں آتے ہی شرک اور کفر کی ظلمت کافور ہو جائے گی۔ لوگ اپنے پروردگار کو پہچانے لگیں گے نسل و خون کے امتیار کی لعنت مٹ جائے گی۔ غلام اور آقا ایک ہو جائیں گے شبنم نے عالم ملکوت کی ان باتوں کو سُنا اور یہ پیام مسرت کرۂ ارض کے کانوں تک پہنچا دیا۔ رو حوشی سے کھل گئے کلیاں مسکرانے لگیں۔ دن کے دس بجے بی بی آمنہ کے لعل سے وہ لعل جہاں تاب پیدا ہوا جس کے لیے عزِ مذلت میں گری ہوئی انسانیت کو اٹھانا، غریب اور غلام کو بڑھانا۔ عورت کو مرد کے برابر کردکھانا ازل سے مقدر ہو چکا تھا۔

وہ مولود زچہ خانہ میں مسکرایا۔ اس کائنات ارضی کا ذکر کیا ہے فضائے ملکوت میں بھی مسرت کی لہر دوڑ گئی کیونکہ دنیا کو سچی خوشی کا سبق اسی سے ملنے والا تھا۔ کفر سجدہ میں گر گیا۔ ادیان باطلہ کی صفیں چھوٹ گئیں۔ عبداللہ کا بیٹا آمنہ کا جایا دنیا میں کیا آیا دین و دنیا پر مستقل ترقی

کے دروازے کھل گئے۔ کائنات کی خوابیدہ قوتیں بیدار ہو کر مصروفِ عمل ہو گئیں۔ انسانیت کی تعمیر احترام و مساوات کی خوشگوار بنیادوں پر شروع ہوئی۔ متلاشیانِ حق کو انسا عرفانِ الٰہی عطا ہوا کہ ماسوی اللہ کا خوف خود بخود دل سے جاتا رہا۔

عبدالمطلب کو جب معلوم ہوا کہ علم و اخلاق کی حدِ کمال نے انسانی پیکر اختیار کر لیا۔ تو دل نے دعاؤں کی پرورش کی اِس خیال سے کہ یہ مولود انسان کا ممدوح ہو۔ اس کا نام محمد رکھا۔ انسانیت کے اس کمال کا عالمِ وجود میں آنا انسانوں کے لیے کس قدر باعثِ برکت ہوا۔ اس کا حال دنیا میں پھیلی ہوئی روشنی علم اور ترقی تہذیب سے پوچھیو مسلمان اس دن کو یاد کر کے جتنا مسرور ہو کم ہے۔ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے دنیا کو مسرتوں سے بھر دیا لیکن مسلمانوں نے اِس خوشگوار یاد کو دل میں تازہ رکھنے کے لیے کیا کیا مولود پڑھا یعنی سُن کر رات آنکھوں میں کاٹی جب عین نمازِ فجر کا وقت ہوا تو سو گئے۔ ہندوستان میں میلاد کی محفلوں پر لاکھوں روپے صرف ہوئے مگر مسلمانوں کے پاس ایسی اور انسانیت کی تعمیر کے لیے پائی تک نہیں۔ کاش مسلمان اس دن اپنے چندوں سے تربیتِ اطفال کے لیے مرکز قائم کریں۔ تاکہ اولوالعزم بچے پیدا ہوں جو تعلیمِ اسلام کو عام کریں اور دنیا سے اپنا لوہا منوائیں۔ دنیا کے سب سے بڑے خادم کی یاد تعمیری کام سے منانی چاہیے۔ صرف نعتیں پڑھ دینے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو تقویت نہیں پہنچ سکتی۔ باتوں سے

تہیں عمل سے اسلام کا بول بالا کرو مخلوق کی خدمت کے لیے مواقع
تلاش کرو۔

بچے کی صحت کی حفاظت ماں باپ کا مقدس فرض ہے توانا جسم
تندرست روح کا مسکن ہوتا ہے جب جسم توانا اور روح تندرست ہو
تو ارادہ دنیا کو مسخر کرنے نکلتا ہے ورنہ عزم چند قدم چل کر مٹی کے ڈھیر
پر بیٹھ جاتا اور تیز رو مسافروں کو حسرت کی نظر سے دیکھتا ہے اہل عجم پر
عربوں کی فتح کا ایک اہم سبب ان کی قوتِ برداشت ہے جنگجو
عرب کی قوت کا انحصار تربیتِ اطفال پر تھا۔ ملک کا دستور تھا کہ قصبات
کی بیبیاں بچہ پیدا ہوتے ہی دیہات میں اس کی پرورش کا انتظام
کرتی تھیں۔ تاکہ کھلی ہوا اور آزاد فضا میں جسم کی مناسب نشوونما ہو سکے
اور ان میں مردانگی کے جوہر پیدا ہوں اور وہ جوان ہو کر دشمن کے
سامنے سر نہ جھکا دیں۔

آپ کی والدہ آمنہ نے پیدائش کے دو تین روز بعد دودھ پلانے
کے لیے آپ کو ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کے سپرد کر دیا۔ کچھ دنوں کے
بعد حسبِ دستور قبیلہ ہوازن کی عورتیں شہر میں آئیں تاکہ کوئی بچہ
اجرت پر دودھ پلانے کو مل جائے ان عورتوں میں سے مائی حلیمہ بی بی
آمنہ کے گھر آئیں۔ آں حضرت کو یتیم جان کر سوچ میں پڑ گئیں تقدیر نے
کہا حلیمہ! ذرے کو نہ دیکھ لعل کو دیکھ دین و دنیا کی دولت کو چھوڑ کر خالی
ہاتھ نہ جا اس کے نام سے تیرا نام رہے گا۔ اس کی دایہ بن۔ اور دنیا میں

عزت حاصل کر

بی بی آمنہ نے اپنے لختِ جگر کو جب مائی حلیمہ کے سپرد کیا ہوگا
بیٹے کی جدائی کے تصور سے قلب میں قلق کے کتنے ولولے اُٹھائے ہوں گے
مگر آزاد قوم کی بہادر عورتیں بچوں کی جدائی برداشت نہ کریں تو اپنی نسل میں
غلامی اور ادبار کا ورثہ چھوڑ جائیں۔ جو مائیں غم کے آنسو بہا کر بچوں کو تربیت
گاہوں اور جنگ و پیکار کے میدانوں میں جانے سے روکتی ہیں انہیں
قدرت فرزندوں کی کامیاب واپسی پر خوشی کے آنسو بہانے کا موقع نہیں
دیتی۔ لو۔ مائی حلیمہ بچے کو لے چلی۔ بی بی آمنہ نے نورِ نظر کے صحت و
سلامتی سے واپس لوٹنے کی دعائیں مانگیں۔ خدا کی برکتیں قریش کے
گھر سے نکل کر ہوازن کے قبیلہ میں داخل ہوگئیں۔

جو موتی ریت کی تہ میں پائے جاتے ہیں درِ شہوار بنے ہیں۔ مٹی
اور پتھر میں رُلنے والے ہیرے کوہِ نور کہلاتے ہیں۔ غریب بچوں کے
لیے قدرت کی یہ تسلیاں ہیں۔ محمدؐ حلیمہ کی گود سے مچل کر زمین پر بیٹھنے
کی سعی کرتے ہیں۔ حلیمہ انہیں سخت زمین پر کھیلنے اور اُٹھ اُٹھ کر گرنے
سے نہ روک۔ ان کے ارادہ میں سختی پیدا ہونے دے۔ تاکہ ان کی عزیمت
کے سامنے لوہا مانی اور پتھر موم ہو جائے۔ انہیں زمین پر کھیلنے دے
قالینوں پر لوٹنے والے بچے ارادے کے کمزور ہوتے ہیں۔

دیکھو۔ سعد فطرت بچہ قدرت کے مکتب میں تعلیم پا رہا ہے اب
پانچ برس کی عمر ہے رضاعی بہن شیما کے ساتھ بھولی بھٹکی بھیڑ بکریوں

کے پیچھے پھرتا ہے۔ اور انہیں گلہ میں واپس لانے میں مدد دیتا ہے
جب کسی بھیڑ بکری کو گھیر کر واپس لاتا ہے تو اسے دنیا مسرت سے
بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

کھلی ہوا اور بکریوں کے پیچھے دوڑ دھوپ نے بچے کے ہاتھ پاؤں
مضبوط کر دیے ہیں جب چھ برس کے بعد بچہ لوٹا۔ تو ماں مارک پودے
کو مضبوط پاکر باغ باغ ہوگئی۔ کیونکہ مضبوط بازو ہی تو بچے کی آئندہ
کامرانیوں کے عنواں ہیں۔ یاکمار بیوہ خوشی کے زمانے میں کیوں زیادہ
روتی ہے۔ ظاہر کی آنکھ جہاں خوشی کے نظاروں میں مصروف ہوئی نورا
ہی سرتاج کی یاد تازہ ہوگئی جس کے خاک میں منہ چھپانے کے بعد بیوہ
آرزوؤں کا مرارس جاتا ہے۔ بی بی آمنہ کے دل میں دردمند نے خاوند کی
یاد تازہ کر دی۔ بیوہ کے سوا کون جانتا ہے کہ خاوند کے مرقد میں کتنی کشش
ہوتی ہے۔ شوہر کی موت کے بعد بیوہ کے لیے دنیا میں اس سے زیادہ
خوشی اور اطمینان کی بات کیا ہے کہ وہ اس کی چھوڑی ہوئی نشانی کو ساتھ
لے کر خاوند کی قبر کے سرہانے کھڑی ہو اور آنسوؤں کے موتی نذر کرے۔

آمنہ چھ برس کے یتیم بیٹے کو ہمراہ لے کر خاوند کی قبر کی زیارت
کو گئیں۔ مہینہ سے زائد مدینہ میں اپنے میکے رہیں کسی سیرت نگار نے
ذکر نہیں کیا کہ کتنی دفعہ اپنے جگر گوشہ کو ساتھ لے کر آمنہ آنسوؤں کا
انمول تحفہ نذر چڑھانے مرقد محبوب پر حاضر ہوئیں۔ اور کتنی دیر دل کے ٹوٹے
ہوئے آبگینوں کو مرقد کی مٹی میں رلاتی رہیں۔ ہاں صرف اتنا بتایا ہے کہ

عمر میں جوان، غم میں بوڑھی بیوہ واپسی پر مقامِ ابوا میں انتقال فرما گئیں۔
آمنہ کی لونڈی اُمِ ایمن اپنے یتیم آقا اور دو جہاں کے سردار کو لیکر مکہ پہنچی اور آں حضرت دادا کے سایۂ حافظت میں پرورش پانے لگے دو سال کے بعد آپ کے دادا عبد المطلب بیاسی برس کی عمر میں اس ملکِ فانی سے جہانِ جاودانی کو سدھار گئے آنحضرت فرطِ محبت سے غم کے آنسو روئے۔ باپ کے بعد ماں، ماں کے بعد اب دادا بھی وہاں جا رہے جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آیا۔ ان چھوڑ کر جانے والوں کے لیے آنسو بہانے کے سوا انسان کے بس میں اور ہے بھی کیا۔ اس جہان سے جانے والو۔ تمہارے لیے رونا بھی فضول اور نہ روئے رہنا بھی ناممکن!

عبد المطلب نے مرتے وقت اس گنجِ گرانمایہ کو اپنے بیٹے ابوطالب کے سپرد کیا۔ ابوطالب نے تا عمر اسے جان سے لگائے رکھا۔ اور اپنی عمر کے تجربے اور تدبیریں اس کی حفاظت کے لیے وقف کر دیں السا کیوں نہ ہوتا۔ ابوطالب جناب عبد اللہ کے ماں جائے بھائی تھے۔ جوانا مرگ بھائی کی موت کا صدمہ بھتیجے کو دیکھ کر دور ہو جاتا تھا۔

ابوطالب کثیر الاولاد اور قلیل المال تھے۔ اس لیے آں حضرت کو بکریاں چرانے پر لگا دیا گیا۔ یہ پیشہ اکثر نیک لوگوں کے لیے بابرکت ثابت ہوا ہے۔ یہ دین و دنیا کی فتحمندیوں کی تمہید ہے گلہ بانی جہانبانی کا دیباچہ اس لیے ہے کہ جہانبانی کے لیے قوٰی مضبوط ہوتے ہیں وہاں

مویشی کی محبت میں جان لڑا دینے کا جذبہ پختہ ہو کر انسان کی بے پایاں
محبت کے احساس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ نبوت کا حقدار اور نیکی کا قائل
وہی ہے جو مخلوق کی محبت میں سرشار ہو کر ان تمام عناصر کو فنا کرنے کی قابلیت
رکھتا ہو۔ جو اس کی ترقی اور خوشی میں حائل ہیں۔ اس کے جسم اور روح کی
بالیدگی قوموں کی رہنمائی کی ذمہ داری اٹھا سکے۔ جسم اور روح کی زینتوں
کی حد کمال کا نام ہی پیغمبری ہے۔

آپ کی عمر بارہ برس کی تھی۔ کہ ابو طالب تجارت کی غرض سے شام
کے سفر کو چلے۔ آپ چچا سے لپٹ گئے۔ ابو طالب کو آپ سے خاص
انس تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس خیال سے کہ بھتیجے کا دل نہ ٹوٹے آپ
کو ساتھ لے لیا آپ نے اس کے بعد شام بصرہ یمن کے متعدد سفر کیے۔

جب آپ کی عمر بیس سال کی تھی تو قریش اور قیس کے قبیلوں
کی مشہور لڑائی میں آپ نے شرکت کی۔ یہ معرکہ حرب فجار کے نام سے
مشہور ہے اس جنگ میں آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا ہاں اپنے
چچوں کو ترکش سے تیر نکال کر دیتے رہے۔ اس طویل جنگ نے ایک
عرصے کے لیے دونوں جنگجو قبیلوں کو امن پسند بنا دیا اور کچھ عرصے
کے لیے خانہ جنگیوں کا سدباب ہو گیا۔ آخر یہ جنگ ایک معاہدہ پر ختم ہوئی
جس کا نام حلف الفضول ہے۔ متحارب قبیلوں کے ہر فرد نے اقرار کیا کہ
ہم زیر دستوں کو بچائیں گے۔ آپ نے بھی اس معاہدہ میں شرکت کی۔ زمانہ
نبوت میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھ کو

سُرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جاتے۔ تو میں قبول نہ کرتا۔ اور اگر آج بھی کوئی ایسے معاہدے کے لیے مجھے دعوت دے تو میں حاضر ہوں۔

حسنِ تدبیر

آپ کے حُسنِ تدبیر کا ایک واقعہ سیرت کی کتابوں میں مرقوم ہے بعض لوگوں نے کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کے لیے مختلف حِصّے باہم تقسیم کر لیے حجرِ اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے تلواریں کھنچ گئیں۔ عرب کے دستور کے مطابق دعویداروں نے خون سے بھرے پیالے میں انگلیاں ڈبو ڈبو کر جان لڑا دینے کی قسم کھائی چار روز تک یہی جھگڑا رہا۔ بالآخر ایک بزرگ نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح جو سب سے پہلے حرمِ کعبہ میں آئے وہی ثالث قرار پائے۔ چنانچہ یہ رائے تسلیم کر لی گئی حُسنِ اتفاق سے سب سے پہلے حرمِ پاک میں آپ ہی پہنچے۔ اس تجویز کے مطابق ہر چند یہ شرف تنہا آپ کا حصہ تھا۔ تاہم آپ نے سب قبیلوں کو شریکِ سعادت کیا آپ کی رائے کے مطابق ہر قبیلے نے اپنا سردار منتخب کیا۔ آپ نے چادر بچھا کر حجرِ اسود کو اس میں رکھا قبائل کے نمائندوں سے کہا کہ چادر کے کناروں کو تھام کر اوپر اٹھائیں جب چادر مقامِ ابراہیم کے برابر آ گئی۔ تو آپ نے پتھر اُٹھا کر نصب کر دیا خدا کے جس گھر کا سنگِ بنیاد آپ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے رکھا اس کا سنگِ تکمیل اس سپوت نے اپنے ہاتھ سے نصب کیا۔ خدا کے گھر کا یہ آخری ایک معمار دینِ حنیف کی عمارت کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچانے والا ثابت ہوا۔ دینِ متین کی عمارت اس کے ہاتھوں ایسی مکمل ہوئی کہ

پھر کسی نئے نقش و نگار کی ضرورت باقی نہ رہی۔

کوئی ایسا باکمال مصور ہے جو اپنے موقلم کی جنبشوں سے نواحِ عرب کے ایک پاکباز نوجوان کی تصویر کھینچے جس کی حیا سے دنیا پارسائی کا سبق لے جس کے لب قہقہہ سے ناآشنا ہوں جس کا ہلکا سا تبسم اندھیرے کو اجالا کر دے۔ ہاں مصور رنگوں کی آمیزش میں اعتدال پیدا کرے تاکہ پاک صورت میں نیک سیرت اس طرح جھلکتی نظر آئے کہ یہ تصویر نور کا جلوہ دکھائی دے چہرے کے نقوش قلب کی بہترین کیفیتوں کے آئینہ دار ہوں۔ روئے روشن سے فاتح کی شان پیدا ہو مگر نشانِ تکبر ہویدا نہ ہو۔ وہ اہلِ دنیا کو دکھوں میں مبتلا دیکھ کر اندوہگیں نظر آئے مگر زمانے کی تلخیوں سے سرکہ جبیں نہ ہو۔

کوئی ایسی تصویر بنا جو مادیت کی آلودگیوں سے پاک ہو۔ اور اس پر وجدانی کیفیت اور روحانی سکوت طاری ہو لیکن اس پر عمل سے عاری اور عزم سے خالی انسان کا گمان نہ ہو سکے بلکہ اس کے سکوت میں ہنگامے ہوں۔ اس کے دلکش تیوروں میں مشکل کشائی کے ارادے چھپے ہوں۔

وہ سادہ لباس میں ہو مگر آنکھوں میں قناعت کی کائنات بھری ہو اس کی بھرپور جوانی اور متناسب اعضا اور محتاط عادات محفوظ زندگی کی شہادت دیتے ہوں۔

قد درمیانہ ہو تاکہ نہ وہ کسی کو کمتر سمجھے اور نہ کوئی اُسے حقارت سے دیکھے۔ اس کے رنگ میں اعتدال ہو۔ تاکہ افریقہ کے کالے اور یورپ کے گورے کے لیے اس میں محبوبیت ہو اور دنیا کا نقشہ اس کے پاؤں تلے اِس طرح

پھیلا رکھا ہو۔ کہ رحمت کی ہواؤں سے اس کا دامن کرم اُڑتا اُڑتا تمام
عرب وعجم کو اپنے سائے میں لیے ہوئے
مصور احسن متین کی ایسی دل آویز تصویر بنا۔ کہ جو دیکھے کہے کہ یہ سب
سے بڑے صناع کی افضل ترین مخلوق ہے۔
قید جہت سے آزاد ایک آواز سنائی دی۔ کہ اے مصور کے متلاشی!
غور تو کر۔ کہ نام نہاد مسلمانوں نے اپنے سجدوں کے لیے پہلے ہی لاکھوں
آستانے تلاش کر رکھے ہیں۔ اگر تیرے ممدوح کی تصویر جائز ہوتی تو
کون عقیدت مند تصویر جاناں در بغل نہ رہتا۔ اور حاجت روائی کے لیے اس
تصویر کے سامنے دن میں ہزار بار سجدے نہ کرتا اس زمانہ میں ماسوا پرستی
کا یہ حال ہے کہ دست رحمت ہی سنبھالے تو کوئی سنبھل سکتا ہے۔ اگر
تیرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر حرام نہ کر دی جاتی تو یہ دنیا کا
بہت بڑا فتنہ ثابت ہوتا۔
جوانی زندگی کی شگفتہ بہار ہے نقرئی چاندنی کی سرمستی و سرشاری میں
حسن دعوت لطف اندوزی دیتا ہے۔ اس رنگین موسم میں توبہ بھی
پیغمبری ہے۔ لیکن اس کی سہانی راتوں کی لطیف رعنائیوں سے اثر پذیر
نہ ہونا صرف ان انسانوں کا کام ہے جن کی شان ادراک کی سرحد سے بار
ہے۔ عمر کے اس حصہ میں جب کہ رنگین خواب دلپذیر نغموں سے معمور
ہوتے ہیں اور انسان کیف و سرور میں کھویا ہوا ہوتا ہے۔ گناہوں سے
اجتناب بڑی کامیابی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی فطرت کے مجدد

مالک تھے کہ جذبات کا بے قابو ہونا تو کجا خیال کا دامن بھی آلودگیوں
سے نہ چھوا تھا۔ دوست ان کے کیریکٹر کی عظمت کو دیکھ کر دنگ رہ
گئے دشمن ان کی پاکبازی کے معترف ہو گئے جس ملک میں حسن
بے نقاب کو کھلے بندوں مسلح ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت
ہو عشق کی کشاکش سے بچ نکلنا سعادت ہے۔ جو ہوسناکوں کا حصہ
نہیں ہو سکتی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی شبنم صبح کی طرح
آلودگیوں سے پاک تھی اس پاکباز پر بڑھاپے میں الزام تراشی مخالفوں
کی دشمنی ہے، واقعہ نہیں۔

آپ نے جس سے معاملہ کیا، دیانت دار پایا اس دیانت اور
پرہیزگاری کی وجہ سے زبان خلق نے جو نقارۂ خدا ہے آپ کو امین کہہ کر
پکارا۔ آپ کی امانت و دیانت کی شہرت گھر گھر پہنچی۔ ایک اونچے گھرانے
کی پاکباز اور متمول بیوہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو شریک تجارت
بنایا اور دوسروں سے دگنا حق الخدمت دیا۔ آپ کے حسن معاملہ کو دیکھ کر
خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شریک زندگی بننے کی خواہش ظاہر کی شادی کے
اس پیغام کو حضور نے قبول فرمایا جس طرح آپ اپنے مکارم اخلاق کی
وجہ سے امین مشہور تھے۔ اسی طرح خدیجہ رضی اللہ عنہا پاک دامنی کی وجہ
سے عورتوں میں طاہرہ کے نام سے معروف تھیں ہر چند دونوں کے
سن و سال میں تفاوت تھا۔ مگر ذاتی اوصاف کی مناسبت نے ایک دوسرے
کے لیے کشش پیدا کر دی۔ چنانچہ مردوں کے ممدوح محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے عورتوں میں سے ایک نیک سیرت خاتون کو شریکِ زندگی بنانا پسند فرما لیا۔ شادی کے وقت سرورِ عالم کی عمر پچیس برس کی تھی۔ اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ مساہل زندگی میں دونوں کے تعلقات محبت کے میٹھے راگ کی طرح خوشگوار تھے ان کی خوشیوں کے بہشت میں عقد اور وساوس کے سانپ نے راہ نہ پائی تھی حرص جو اس جو محبت کی بنیاد ہے۔ ان کے محل شادمانی کو چھو تک نہ گیا تھا انسانی کیریکٹر کی عظمت اسی میں ہے کہ جس کو جس سے زیادہ واسطہ ہو۔ وہ اس کی بڑائی کا زیادہ اقرار کرے۔ ریاکار کا ڈھول دور سے سہاونا معلوم ہوتا ہے۔ اسے قریب سے دیکھیئے تو اس کا پول کھل جاتا ہے نیک انسان کے متعلق دور رہ کر بدگمانیاں رہتی ہیں۔ اس کا قرب اس کی محبوبیت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ کو حضور صلعم کے حسن سلوک سے معلوم ہو گیا۔ کہ میری دولت کیا دنیا کی ساری دولت اُن کے خاک پا کی قیمت نہیں ہو سکتی۔ حضور صلعم کے اخلاقِ عالیہ حضرت خدیجہ کی بڑی سے بڑی توقع کے مطابق تھے اور آپ کی نیکی حضرت خدیجہ کے اندازے کی وسعتوں سے بھی زیادہ تھی۔ انہیں نہ صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہی تھی بلکہ انہیں آپ کے کیریکٹر کی عظمت کا گہرا احساس تھا۔ دایہ سے پیٹ چھپایا جا سکتا ہے۔ مگر رفیقۂ حیات کی آنکھوں سے خاوند کا عیب د ثواب نہیں چھپ سکتا۔ اس لیے اس نیک بی بی کا اپنے سرتاج کے متعلق حسنِ ظن حضور کی اعلیٰ سیرت کا ناقابلِ تردید ثبوت

ہے۔

ناخلف اولاد برسرِ روزگار یا برسرِ اقتدار ہو کر غریب ماں باپ سے آنکھ چرائی ہے۔ مگر صاحبِ زر خاتون کا محبوب خاوند عزیز رشتہ داروں سے مروت اور ہمسایوں کی امداد میں لگ گیا۔ حضور صلعم کو ابوطالب کی مہربانیاں یاد تھیں ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا آپ کو اپنے چچا کی عسرت اور اولاد کی کثرت کا خیال آیا اپنے دوسرے چچا حضرت عباسؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ قحط سالی ہے اور چچا ابوطالب قلیل المال اور کثیر الاولاد ہیں۔ بہتر ہے کہ ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایک لڑکے کو میں اپنے پاس لے آؤں اور ایک کو آپ اپنے گھر لے جائیں۔ انہوں نے یہ بات پسند فرمائی دونوں ابوطالب کے پاس پہنچے اور اظہارِ مدعا کیا انہوں نے حضرت علیؓ کو تو حضور کے سپرد کر دیا اور جعفر کو حضرت عباسؓ کے حوالے کیا حضرت علیؓ کی عمر اس وقت پانچ برس کی تھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا یہ تربیت یافتہ بچہ صاحبِ ذوالفقار اور اعلیٰ درجہ کا شہسوار بنا۔ اس نے خیبر شکن بازو اور شیر افگن قوت پائی۔ وہ بلند پایہ فلسفی۔ اعلیٰ درجہ کا ادیب اور ساحر بنا دنیا میں اربابِ قلم اور صاحبِ فضل کہلایا کاش مسلمانوں کی اولاد انہی خصوصیتوں کی حامل ہو۔

حضرت علیؓ تو خیر مہربان چچا کے بیٹے گویا اپنا ہی گوشت پوست تھے۔ تم بیگانے سے حضور صلعم کا حسنِ سلوک دیکھو۔ زید حضورؐ کا ایک غلام ایک آزاد عیسائی خاندان کا چشم و چراغ تھا حضرت خدیجہؓ کا

بھتیجا حکیم بن حزام اس کو کہیں سے خرید لایا۔ اور اپنی پھوپھی کی نذر کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے اُسے حضور صلعم کو سونپ دیا۔ یہ غلام گھر میں بچوں کی طرح پرورش پانے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے باپ اور چچا اس کی تلاش میں حضور کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ زید کو گھر بھیج دیا جائے۔ آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔ باپ اور چچا زید کی آزادی سے باغ باغ ہو گئے۔ مگر زید اداس سی پڑ گئی اور دونوں کو صاف کہہ دیا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اب کہیں نہیں جا سکتا۔ باپ حیران ہو کر بولا کہ تو آزادی سے غلامی کو پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا ہاں میں نے محمد صلعم میں وہ بات پائی ہے۔ کہ ماں باپ کو ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ حضور صلعم نے سب کو مخاطب کر کے کہا لوگو! یہ میرا بیٹا ہے اور میں اس کا باپ۔ حارث نے سنا تو خوش خوش گھر چلا گیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ جو کسی کم ظرف نے جوش میں آ کر کہہ دی اور مزاج اعتدال پر آیا تو بھلا دی ہو۔ بلکہ اس شفیق آقا نے غلام کے ساتھ جو قول کیا وہ عمر بھر نباہا۔ شادی کے لائق ہوا۔ تو اپنی پھوپھی کی لڑکی زینبؓ کے ساتھ نکاح کر دیا۔

خدا پر ایمان محمد صلعم کی جان تھی۔ کفر اور شرک کی رسموں سے پرہیز گویا حضور کی گھٹی میں پڑا تھا منصب نبوت پر پہنچنے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ قریش نے بتوں کے چڑھاوے کا کھانا حضور صلعم کے سامنے لا کر رکھا مگر اس موحد برحق نے کھانے سے اجتناب کیا۔ آپ کو نمایاں ہونے اور بڑا بننے کا شوق نہ تھا۔ ہاں جو آپ کے قریب آتا تھا۔ گرویدہ ہو جاتا تھا۔

آپ کی زندگی لہو ولعب، جھوٹ اور فریب سے پاک تھی۔
سیرت کی اس ہلکی سی جلوہ نمائی سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ آپ جسمانی صحت اور اخلاق میں ممتاز تھے۔ جب جسم اور روح آلائشوں سے پاک ہوئے ہیں تو حسینوں سے حسین خدا کی محبت اُمڈی ہستی کو لبالب ہو طمیناں سحر ہوائیں عرش کے کنگروں کو بوسہ دے کر آتی ہیں راحت کا سمندر امڈا چلا آتا ہے انسان چاہتا ہے کہ غیروں کی مداخلت کے بغیر اس سرور سے کیف اندوز ہوتا رہے۔ اس لیے وہ ایسے گوشہ خلوت کو پسند کرتا ہے جہاں بیتابہ بلے اور پردہ یہ مارے مسرت کے لاسلکی پیغام آسمان سے آتے ہیں۔ دل برکتوں سے معمور ہو جاتا ہے۔ کبھی اضطراب اور عم کی پاک رو پیدا ہوتی ہے آنکھیں ساون کی جھڑی کی طرح آنسو برساتی ہیں لیکن باوجود اس اشک باری کے دل مسرتوں کا جلوہ زار بنا رہتا ہے جب آپ کی عمر بیتیس برس کو پہنچی۔ تو خلوت کی کشش بڑھ گئی آپ راتوں کو ایک غار میں جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے جایا کرتے تھے اس غار کا نام حرا ہے حضور صلعم ستو وغیرہ کو ہمراہ لے جایا کرتے۔ اور جب تک یہ ختم نہ ہو چکتے وہیں قیام فرماتے ان سکوت زا تنہائیوں کی کیفیتوں کا صحیح علم تو کسی کو ہی ہو سکتا ہے مگر ناچیز امتی کا یہ قیاس ہے کہ محولہ بالا کیفیت سے وہ ملتی جلتی کیفیت تھی جو غار حرا کی کشش کا باعث تھی امتی کو یہ خوشگوار تجربہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب اس کا حسن عمل بارگاہ باری تعالیٰ میں مقبول ٹھہرے تاکہ انسان سمجھ سکے کہ خدا

اپنے بندے پر راضی ہوگیا جس کسی کو یہ جالفزا تجربہ ہوتا ہے وہ نادیدہ خدا کی رویت کے لیے رات کو اس شوق بھرے اضطراب سے اُٹھتا ہے۔ جس طرح عاشق وارفتہ کسی پیکرِ حسن کی محبوبیت کا نظارہ کرنے کے لیے ایک پرشوق تشویش محسوس کرکے جلدی جلدی تیار ہوتا ہے۔ گویا مطلوب ملاقات کے لیے منتظر کھڑا ہے۔ اور اُسے دیر ہوگئی تو وہ کہیں مایوس ہو لوٹ جائے۔ اور جب تمام تصویروں سے خالی الذہن ہوکر اس کے دھیان میں مٹتا ہے تو ایسا محسوس کرتا ہے گویا کسی جانِ جاں کی محبت بھری میٹھی باتیں سنتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کے کام و دہن ایسی لذتوں سے حلاوت اندوز ہوتے ہیں جس کا بیان دائرۂ امکان سے باہر ہے۔ کبھی کبھی وہ تاریکیوں میں نور کی جھلک دیکھتا ہے گویا تیرہ و تار مطلع پر کواکب تاباں ظاہر ہوگئے۔ جب روح اس طرح عالمِ علوی سے علاقہ پیدا کرتی ہے۔ تو اکثر خطرات سے آگاہی ہوتی ہے اور جو تحریکیں باقی ہے۔ کبھی رویائے صادقہ اور صاف الہام اس کی رہبری کرتے ہیں بعض اوقات دین و دنیا کی اچھوتی حقیقتیں اس پر کھلتی ہیں۔ علم و یقین کے باب وا ہوتے ہیں۔ انسان خدا کے ساتھ ایسے تعلق یوں استوار پاکر آمدہ لغزشوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک تو پیغمبر اور امتی کا حال یکساں ہے۔ اگلی وادی کے سفر کے لیے عام قدم رُک جاتے ہیں وہاں صرف پیغمبروں کا گذر ہو سکتا ہے۔ اس سفر کی آخری منزل وہ ہے جہاں حسنِ حقیقی پر تو فگن ہے۔

وحی

عرب کا روشن ضمیر آقا غارِ حرا کی تاریکیوں میں نور کی جھلک دیکھنے لگا اس کے خواب سچے اور الہام صحیح ثابت ہونے لگے پانچ برس تک یہی کیفیت رہی مگر آپ کی روح اور رفعت چاہتی تھی وہ جوہر قابل براہِ راست اکتسابِ علم کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس لیے عمر کے اکتالیسویں سال مطابق ۶۱۰ء سے وہ منصب حاصل ہوا جس کا اہل اس کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ لیلۃ القدر کی اس سعد ساعت کو خدا کا پیغام بر فرشتہ جبرئیلؑ دنیا کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غارِ حرا میں پہلا پیغام لے کر آیا اور کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ	پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات
خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ	کو پیدا کیا آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ	پیدا کیا پڑھ تیرا خدا کریم ہے وہ جس نے انسان
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا	کو قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان
لَمْ یَعْلَمْ ؕ	کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔

ثابت بن قیس نے سچ کہا کہ خدا نے اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا جو سب سے زیادہ شریف النسب سب سے زیادہ

راست گفتار اور سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا۔ وہ تمام عالم کا انتخاب تھا۔ اس لیے خدا نے اس پر کتاب نازل کی روایت ہے کہ جب جبرئیل غار حرا میں ظاہر ہوئے تو کہا کہ پڑھ آپ نے فرمایا کہ میں پڑھنا تو نہیں جانتا تو حضرت جبرئیل نے آپ کو سینے سے لگا کر خوب زور سے دبایا۔ پھر وہی الفاظ دہرائے اور وہی جواب پایا۔ پھر اسی طرح دبایا۔ غرض تیسری مرتبہ یہ جواب سننے کے بعد جبرئیل نے وہ پانچ آیتیں پڑھیں اس واقعہ سے بے حد متاثر ہو کر حضور صلعم گھر پہنچے دفعۃً حیات حضرت خدیجہ کو کہا۔ کہ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ چنانچہ آپ کو کمبل اوڑھا دیا گیا جب کچھ دیر بعد دل کو اطمینان خاطر ہوا۔ تو خدیجۃ الکبریٰ کو غار حرا کی سرگزشت من و عن کہہ سنائی اور کہا کہ مجھے تو جان کا خوف ہے۔ بیوی جس کی نظر خاوند کے بلند اخلاق پر تھی یکار اٹھی کہ یہ واقعہ آپ کو مبارک ہو خدا آپ کو ہرگز رسوا نہیں کریگا کیونکہ آپ قرابت داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ فقیروں مسکینوں کی مدد کرتے مسافروں کی مہمانی کرتے ہیں۔ اچھے کام کرنے والوں کے آپ مددگار ہیں۔

سیرت کے ایک ایک واقعہ میں دفتر معنی مضمر ہے پیغمبر آخرالزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔ بلکہ یہ فخر ایک خاتون کی قسمت میں لکھا گیا۔ تاکہ موسوں کے منہ پر قفل لگ جائیں اور عورت کو مرد سے گھٹیا نہ کہہ سکیں حضرت خدیجہ نے آنحضرت کی سچائی کی ایسی ناقابل تردید شہادت پیش کی جس سے ہر مخالف نکتہ

چین کی زبان بند ہو گئی۔ اس مومنہ کی دانست کو دیکھو۔ کیا خوب کہا۔ کہ
مخلوق کی خدمت کرنے والے کو خالق رسوا نہیں کرے گا۔ خدمتِ
خلق اور مخلوق سے محبت سچے مذہب کی جان ہے۔ بے شک دوسرے
کے کام آنے والوں کو خدا رسوا نہیں کرتا۔

حضرت خدیجہ کا چچیرا بھائی ورقہ بن نوفل عربی اور عبرانی زبان کا
عالم تھا۔ وہ شرک سے نفور اور دینِ حق کی تلاش میں رہتا تھا۔ بڑھاپے کی
کمزوریوں سے اُس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ حضور صلعم کو
اس نابینا بزرگ کے پاس لے گئیں۔ اور کہا اے چچا کے بیٹے اپنے
بھتیجے کا ماجرا سن۔ حضور صلعم نے غارِ حرا کا واقعہ سُنایا۔ تو ورقہ بن نوفل نے
کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُترا تھا۔ اے
کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب کہ تیری قوم تجھے نکال دے گی
حضور نے پوچھا۔ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی۔ وہ بولا ہاں جس کو
لے کر تم آئے ہو اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے
دشمنی نہ کی ہو۔ اگر اس زمانہ تک میں زندہ رہا تو تمہاری ہر طرح مدد کروں گا
افسوس! یہ صاحبِ ایمان جلدی ہی مر گیا۔ آں حضرت صلعم کو خواب میں
وہ سفید لباس میں دکھایا گیا جس سے حضور نے تعبیر کی کہ ورقہ بن نوفل جنتی
ہے۔ اگر اس کا مقام دوزخ ہوتا تو جسم پر لباس نہ ہوتا۔ غرض جویائے
حق حق کو پہنچ گیا۔

حضور صلعم نے جس خوف کا اظہار فرمایا تھا۔ وہ ان معاملات کی ابتدا اور

بشریت کے تقاضے کے باعث تھا کون نہیں جانتا کہ ایک نامعلوم وادی میں پہلا قدم کس قدر جھجک پیدا کرتا ہے۔ اس طبعی ہچکچاہٹ کے ساتھ نئی دنیا کے مناظر کا ایسی پر ہیبت عظمت کے ساتھ سامنے آنا یعنی غار کی تاریکی میں فرشتے کا زور زور سے بھینچنا سوائے خوف کے کیا کیفیت پیدا کر سکتا ہے بجائے شک کرنے کے خوف اور ہراس کا یہ مجرد واقعہ ہی آں حضرت کی سچائی کی دلیل ہے۔ اگر نبوت کا دعویٰ آپ کا من گھڑت افسانہ ہوتا تو یوں خائف گھبرا آتے۔ بیوی کے سامنے تو بزدل بھی بہادر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ بنابریں قلب سلیم تسلیم کرتا ہے کہ آپ کے دل میں جھوٹی شہرت چھوڑ اس منصب کی معصوم امنگ بھی رکھی۔ نبیوں اور نیکوں کے دل مناصب کے آرزومند نہیں ہوتے وہ تو آگ کی تلاش میں نکلتے ہیں اور اچانک نورِ حق کو پا لیتے ہیں۔ عرب کا یہ یتیم بھی اچانک کونین کا سردار بنایا گیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔

وحی کے پہلے تجربہ میں یہ حالت اس لیے طاری ہوئی۔ تاکہ وحی کو کشف الہام اور رویا سے تمیز کیا جا سکے۔ ایسا نہ ہو کہ مرسل تمثیل اور معنے کے ابہام میں رہے بلکہ اسے معلوم ہو کہ یہ تخیل نہیں حقیقتِ ثابتہ ہے حضور کے پڑھنے سے انکار پر فرشتے کا اصرار اور بار بار بھینچنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ پیغمبرؐ پر روشن ہو جائے کہ یہ منظر وہم کی پیداوار نہیں بلکہ حقیقتِ حال ہے۔

معترض حضور صلعم کے دعوائے نبوت کو دولت اور طاقت کی آرزو پہ

معنی سمجھتے رہے اور اس حقیقت کو ہمیشہ نظرانداز کرتے رہے کہ طوفان خیز
شباب جو معرکوں اور ہنگاموں کا زمانہ ہوتا ہے ایک شخص خاموش اور پرامن
متاہل زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا سینہ چالیس برس کی عمر کے بعد کیونکر شورش
انگیز امنگوں کی جولاں گاہ بن گیا۔ حالانکہ عمر کا یہ حصہ بڑھاپے کی طرف پہلا
قدم سمجھا جاتا ہے۔ اس عہد میں جوانی کی حرارت پیری کی سرد ہواؤں سے
کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اگر تم گرم ملک کے باشندے ہو اور تمہاری عمر
چالیس کو پہنچ چکی ہے تو اپنے تجربے پر قیاس کرو کہ عنفوان شباب میں تمہارا
سینہ کس طرح محشر خیز امنگوں کی جولانگاہ تھا۔ دولت اور رفاقت کی حرص نے
کس طرح ایک آگ سی لگا رکھی تھی امیدوں کے سراب نے آنکھوں کے
سامنے بہشت کے ہوش ربا جلووں کی دنیا آراستہ کر رکھی تھی۔ پھر جب چالیس
برس کی عمر ہو چکی۔ تو دست نگاہ نظارے یک بیک غائب ہو گئے
اور مایوسیوں کا لق و دق صحرا منہ پھاڑے نظر آنے لگا۔ اگر تم اس کو نہیں پہنچے
تو اس عمر کی جہاں آزمیوں کا درد بھرا افسانہ کسی سن رسیدہ سے پوچھو۔
گلستاں کے مصنف سعدی سے دریافت کرو جس نے جذبات تیز جوانی
کو خیر باد کہتے اور برف بار بڑھاپے میں قدم رکھتے ہوئے کس حسرت
سے "چہل سال عمر عزیزت گذشت" کا عرفانی مصرع کہہ کر اس عہد کی سرد
مراحلوں کی طرف حکیمانہ اشارہ کر دیا۔ اس لیے چالیس برس کے بعد خاموش
زندگی بسر کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوٰے شیطانی امنگوں اور باطل
امیدوں پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ وحی ربانی انہیں غار حرا کی تنہائیوں سے نکال کر

میدانِ وفا و غزا میں لے آئی تھی۔
حضرت جبرائیلؑ کے ظہورِ اول کے بعد چھ ماہ تک کوئی آیت نہیں
اتری۔ وحی کے اس التوا کا زمانہ زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک رہا۔ اس کو
زمانۂ فترت کہتے ہیں۔ بظاہر حتنک نے التوائے وحی کی مصلحت یہ سمجھی کہ
پیغمبر کو شدتِ وحی سے دوبارہ تکلیف نہ ہو۔ عاشق رمز شناس بولا کہ یہ بھی
حسنِ حقیقی کی ایک ادا تھی۔ تاکہ ہجر میں طالب کی نیازمندیوں اور اس
کے شوق و اضطراب کو کنکھیوں سے نظارہ کرے۔ ایک واقعہ کی دو تاویلیں
ہیں۔ اپنی افتادِ طبیعت کے مطابق کسی ایک کو قبول کر لو۔
جیسا بیاں ہو چکا ہے نبی کسی منصب کے طالب اور شہرت کے
خواہاں نہیں ہوتے خدا کی محبت اور عبادت اُن کی روحانی غذا ہوتی ہے
اس میں وہ بھول چوک نہیں کر سکتے۔ زمانۂ فترت میں آں حضرت صلعم
برابر غارِ حرا میں جاتے رہے۔ اور شبستانِ دل کو نورِ حق سے منور کرتے رہے
عاشقِ صادق کو تو ہجر میں وصل سے زیادہ مزا ملتا ہے۔ بعضوں نے لکھا
ہے۔ التوائے وحی کے زمانے میں حضور سخت پریشان رہتے تھے۔
ہر چند یہ بات مصدقہ نہیں تاہم پریشانی کو دردِ ہجر اور شوقِ وصل سے
تعبیر کیا جا سکتا ہے۔
طالبِ صادق کے امتحاں کی یہ اوّل منزل ختم ہو گئی۔ تو ایک دن
پھر جب حضورؐ غار سے نکل کر گھر آ رہے تھے۔ اسی فرشتے کا ظہور ہوا۔
آپ پھر کسی قدر مرعوب ہو گئے۔ مکاں پر پہنچ کر کپڑا اوڑھا اور لیٹ گئے۔

رستے میں کان میں یہ پُرجلال آواز آئی کہ

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝	اے چادر میں لپٹے ہوئے اٹھ اور ان لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی اور کبریائی بیان کر اپنے کپڑوں کو پاک کر اور رجس یعنی شرک و بدی سے جدائی اختیار کر۔

یہی وحی میں عطائے علم کی بشارت تھی اس سے اشاعت دین کا حکم ہوا۔ یہ دین وہی تھا جس کی اشاعت سب نبیوں نے کی اور جسے سب نیک لوگوں کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ انسان۔ حیوان۔ شجر۔ حجر۔ بھوت۔ پری قبر اور سب پرستش کے لائق نہیں۔ ہاں وہ ذات واحد جو کل کائنات کی منظم بندہ اور تصویر خانۂ موجودات کی مالک ہے۔ وہ جو دل کے بھیدوں سے واقف ہے۔ حسن یوسف اور شادابی گل جس کے قلم کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔ سمندر کی حیرت افزا وسعت اور اس کی بلاخیز موجیں پہاڑوں کی بلندیاں اور ان کے لامتناہی سلسلے ان گنت ستارے اور یہ شمسی اور قمری نظام بادلوں کا ہجوم بجلی کی تڑپ بارش کے موتیوں سے پاکیزہ قطرے اور خوشبوؤں سے لبریز ہوائیں۔ پُرشور آندھیاں موجوں کا تغیر۔ جذبات کے طوفان حُسن کی بے پروائیاں عشق کی ارادت کیفیتیں اس کے ایک ارادے کی پیداوار ہیں ماں کی ممتا۔ بچے کا خوشگوار تبسم اور ایسے ہزاروں تاثرات کا پروردگار کون ہے پھول میں خوشبو پھل میں حلاوت کون پیدا کرتا ہے۔ بس وہی خدا جو عرب اور

عظمت کے قابل اور پرستش کے لائق ہے۔
خدا کی ہستی کا اقرار تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے جب اس یقین میں شک پیدا ہو جائے تو انسان جوشِ عمل سے عاری ہو کر پریشان حال ہو جاتا ہے۔ حسنِ عمل کی ہر اسمی کے باوجود انصاف کے حدود کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور شیطان کے ہاتھ میں ظلم اور عدوان کی بے پناہ تلوار بن جاتا ہے۔ کیونکہ جب کسی محاسبِ اعلیٰ کی ہستی کا یقین ہی نہیں تو کسی عمل کا جائزہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کوئی کوتوال ہی موجود نہیں تو چور کو چوری سے کیا خوف ہو سکتا ہے۔ اِس قانون کے مستثنیات کو دیکھ کر گھبرا اٹھو۔ منکرین کے گروہ میں جو حسنِ عمل کا رنگ نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منکرِ خدا بظاہر عاقبت کے خطروں سے شجاعانہ بے پروائی کا اظہار کرتا ہے۔ مگر دل کے گوشے میں یہ اندیشہ رکھتا ہے مبادا اس وسیع کائنات کا کوئی پروردگار ہو۔ جو مجھے مرنے کے بعد زندہ کرے اور اعمال کا جائزہ لے۔ ادھر ایمان کے بعض مدعی گناہوں کے گڑھے میں آپ کو پڑے ملیں گے اس کی وجہ یہ ہے ان کا اقرار بھی لفظی اور رسمی ہوتا ہے۔ وہ سجدوں میں بھی شک کرتے ہیں کہ مبادا خدا کا وجود بھی ہما اور عنقا کی طرح محض افسانہ ہو۔ اور یہ نماز روزے تضیع اوقات ہی ثابت ہوں ورنہ شبہ نہیں کہ بھلائی کی قوتِ محرکہ خدا کا اقرار ہے۔ اور برائی کا منبع محاسب قوت کا انکار۔ اِسی لیے قرآنِ حکیم صانعِ قدرت کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے۔ عناصرِ اربعہ کی گوناگوں اور بوقلموں صورتوں

حواسِ خمسہ کی لطف اندوزیوں اور لذت رانیوں۔ قدرت کی صنعت بھری رنگ آمیزیوں اور گلکاریوں کو انسان کے پیش نظر کر کے پوچھتا ہے کہ یہ جو سب کچھ موجود ہے کہاں سے پیدا ہو گیا۔ مخاطب گو لطفِ نگاہ سے محروم نہیں پھر بھی اس کی دقیقہ رسی کور ذوقی اس چمکتی حقیقت یعنی خالقِ کائنات پر ایمان لانے کی راہ میں شک و شبہ کی دیواریں کھینچ دیتی ہے۔ اس کم بینی اور کوتہ اندیشی کے مرض کا علاج آنکھوں کا بند کرنا نہیں بلکہ حقائق کو علم و عقل کی روشنی میں بار بار دیکھنا ہے۔ بظاہر عالم اور مظاہرِ قدرت پر بار بار تحقیق کی نظر ڈالنے سے بالآخر انسان شک کی دیوار سے پار ہو جاتا ہے اور اس وادیِ حیرت میں جا پہنچتا ہے جہاں نظرِ بشری خالق محور کے سامنے مجبور و بے چارگی سے گردن جھکائے کھڑی نظر آتی ہے۔

نیک لوگ جب اپنے ہم جنسوں کو کفر اور شرک کی گمراہی میں دیکھتے ہیں تو گھبرا اُٹھتے ہیں۔ اور انسانوں کو بے یقینی کی ضلالتوں سے نکلنے کے لیے پکارتے ہیں یہی اللہ کے پیغمبر جو دنیا کی راہنمائی اور رہبری کے لیے خاص طور پر منتخب کیے جاتے ہیں۔ حضور صلعم نے جب تبلیغِ دین کا حکم پایا تو سب سے پہلے اس کارِ خیر کو شروع کیا۔

سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض نے دعوتِ اسلام قبول کی پھر حضرت علی رض اور حضور صلعم کے غلام زید رض نے دین کی دولت پائی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رض کو یہ عزت نصیب ہوئی۔ حضور کے اخلاقِ حسنہ کے سامنے سب سے زیادہ آشنا تھے اور حضور کی زندگی کا کوئی گوشہ جن سے

محبوب اور بو تبدہ نہ تھا۔ وہی پہلے آپ کی صداقت کے قائل ہوئے۔ بیوی بھائی۔ غلام۔ دوست جب ایمان لا چکے۔ تو رفتہ رفتہ حضرت ابوبکرؓ کی سعی اور کوشش سے حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف حضرت سعدؓ وقاص (فاتح ایران) اور حضرت طلحہؓ ایمان لائے۔ ان کے علاوہ حضرت عمارؓ، خبابؓ بن الارت۔ ارقمؓ۔ سعدؓ بن زید۔ عثمانؓ بن مظعون۔ عبیدہؓ۔ صہیبؓ رومی جلد ایمان لانے والوں میں سے تھے۔

حضور صلعم امن پسند اور صلح جو تھے۔ وہ تو دشمن کے دل میں بھی غبار پیدا کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ احتمالِ شر کے پیش نظر توحید اور رسالت کی تبلیغ چپکے چپکے ہی فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ خدا کی عبادت بھی کسی گھاٹی میں جا کر کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ اچانک ابوطالب وہاں آ نکلے اور تعجب سے دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کونسا دین ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ دینِ ابراہیم حق کی دعوت تین برس تک یونہی خاموشی کے ساتھ ہوتی رہی۔ اس عرصے میں حضور کے حلقۂ مومنین مخلصین کی ایک مختصر سی جماعت آ گئی جو بشمول مستورات چالیس جانوں سے زیادہ نہ تھی۔ اب چوتھے سال یہ حکم آیا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (حجر) — اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ آشکارا کہہ دے

مجازی محبت کا ٹانڈا عشقِ حقیقی کی سرحد کے قریب سے ہو کر نکلا ہے

دونوں منازل کے مسافروں کے تصورات و احساسات بہت ملتے جلتے
ہیں فرق صرف گہرائی اور صفائی کا ہے۔ اگر سیرت کے اس حصّے کو محبت
کی عام فہم زبان میں ادا کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ حسنِ حقیقی بے حجابیوں
پر مائل اور پردہ داریوں کا مخالف رہا ہے۔ جو بھی حسن کی سرکار سے راز
محبت کو واشگاف بیان کرنے کا جالفزا حکم پایا۔ آپ کوہِ صفا کی چوٹی پر
چڑھ کر پکارے کہ اے اہلِ قریش دوڑو۔ لوگ حسبِ دستور اس آواز کو
یقینی خطرہ کا نشان سمجھ کر بھاگے چلے آئے۔ جب سب جمع ہو چکے
تو آں حضرت صلعم نے دنیا و آخرت کا حقیقی خطرہ بطور استعارہ یوں بیان
فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکرِ جرار
تمہاری گھات میں ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کر لوگے؟ سب نے
کہا ہاں کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے سُنا ہے۔ آپ نے فرمایا
تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔
لوگ اسے ایک بے حقیقت بات سمجھ کر مذاق اُڑاتے گالیاں دیتے چلے
گئے۔ مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ اس صاحبِ تاب ہی نے کبھی کوئی بے بنیاد
بات نہیں کہی۔ اسلام کی ابتدا میں جو بات آپ کی زبان سے مجاز و استعارہ
کے طور پر نکلی۔ وہ حقیقت کے لباس میں سولہ برس کے بعد جب حضور نے
فتح مکہ کے وقت دس ہزار قدسیوں کا لشکرِ جرار لے کر مقامِ صفا پر نزول
اجلال فرمایا تو جن لوگوں نے کوہِ صفا پر اسلام کا یہ اوّلیں پیغام سُنا تھا
حضور کی عظمت کے قائل ہو گئے۔ اس طرح مومنین نے فلاح پائی،

منکر عذاب ہلاکت میں مبتلا ہوئے۔ اس واقعہ کا چرچا گھر گھر ہو گیا۔ اور تمام عرب میں نبی کے کذب وصداقت کی بحث کا دروازہ کھل گیا چرچا کرنا اور بحث کے باب کو وا کر دینا ہی ہر دور میں پراپیگنڈا کی جان رہا ہے۔ کسی اصول کی نشر واشاعت کا موثر طریقہ یہی ہے۔

عشق کی ابتدا شیریں اور خوشگوار ہوتی ہے۔ پھر دشواریوں کا مرحلہ آتا ہے۔ پروردگار جس کے نورِ عشق سے دل کو روشن کرنے والے کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ سرکار کا حکم ماننا ہو تو ہزار جان سے اس پر فدا ہو جائیں۔ مگر اس کی بے پیاریاں یہ ہیں کہ پیغمبری کی سند خود عطا کرتا ہے اور اس کی تصدیق دوسروں سے کروانے کا حکم دیتا ہے۔ اس مضمون کو طول دینا سوءِ ادب ہے مختصر یہ کہ نبیوں کی ذمہ داریاں نہایت نازک ہوتی ہیں۔ قدم قدم پر مشکلات کے پہاڑ اور رکاوٹوں کی دیواریں آتی ہیں۔ عرش پر اُن کی عظمتوں کا غلغلہ بلند ہوتا ہے۔ مگر فرشِ خاک پر انہیں مصیبتوں اور بلاؤں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ہر چند نیک لوگ سعی کار میں دل بھر جان کھپاتے ہیں جب رات کو خود اپنے اعمال کا جائزہ لینے بیٹھتے ہیں تو ہر چھوٹی سے چھوٹی بھول چوک سے مضطرب ہو جاتے ہیں سجدوں میں پڑ کر سخت اضطراب وبیقراری کے ساتھ استغفا پڑھتے ہیں۔ اور معمولی غلطی کے تصور سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مبادا وہ بے پروا ایمان کی دولت سے محروم کر کے کھیاں کی جب چھین لے۔ اگلے دن پھر وہ گمی کوشش کرتے ہیں اور انہیں جوگی مخالفت

کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جاں نثار رحمتِ پروردگار کو ڈھونڈتی ہے۔ مگر
امتحانِ عشق کی یہ کٹھن منزل ختم ہونے میں نہیں آتی۔
دیکھو محمد صلعم جدھر جاتے ہیں انگلیاں اٹھتی ہیں حقارت کی نظریں
پڑتی ہیں۔ ایک دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ دوسرا منہ بسورتا ہے۔
ذاتِ اقدس سے استہزا عام ہو گیا۔ مکہ کی گلیوں کے چھوکرے۔ اور
بازاری لفنگے جو بھی آپ کو دیکھتے، خاک اڑانے اور شور مچانے لگتے تھے
لیکن آپ ان سب باتوں کو برداشت کرتے اور خاموشی سے اپنے کام
میں مصروف رہے

اب پھر ذاتِ باری کی طرف سے حکم ہوتا ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِين ۔ اور اپنے نزدیک والوں کو خدا سے ڈرا۔

یہ حکم پاتے ہی حضور نے عزیزوں کی دعوت کا سامان کیا حضرت علیؓ جن
کی عمر ابھی تیرہ برس کی تھی میرِ مطبخ ہوئے تھے عبد المطلب کا سارا خاندان
مدعو تھا۔ فراغتِ طعام کے بعد آپ نے یوں فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر
آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے۔ اس بارِ گراں کو اٹھانے میں کون
میرا ساتھ دے گا؟ دعوتِ حق سن کر سب کو سانپ سونگھ گیا ہاں آغوشِ
محمدی کے تربیت یافتہ علیؓ نے اٹھ کر کہا ہر چند مجھے آشوبِ چشم ہے اور
گو میری ٹانگیں پتلی اور عمر کم ہے تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ لوگ اس
کو چھوٹا منہ اور بڑی بات سمجھ کر بے ساختہ ہنسنے لگے۔ تاریخ کتمِ عدم سے
پکاری کہ کیوں ہنستے ہو۔ علی جو کہتا ہے۔ سچ کر دکھائے گا۔ پھر واقعات

کی رفتار نے ثابت کر دیا کہ اس سچے کا کہا پورا ہوا۔

اب دعوتِ دین کے عام ہوتے ہی مخالفت بھی عام ہوگئی۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں خاندانی چشمک تھی۔ پیغمبری کے دعوے نے رقابت کی آگ پر تیل کا کام کیا۔ اموی ڈرے کہ کہیں ہاشمیوں کا یہ چراغ ہمارا دیا گل نہ کر دے۔ ادھر توحید کی تبلیغ اور بتوں کی مذمت نے بھڑکتی آگ کو اور بھڑکایا۔ قریش خدا کی بڑائی اور بتوں کی بُرائی کی تاب نہ لاسکے۔ کیونکہ ساری عظمت بتوں کے مرجع خلائق ہونے پر موقوف تھی۔ اسلام کی ترقی کو آبائی دین اور خاندانی وقار کے لیے پیامِ موت سمجھ کر مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئے جس چیز نے قریش کے صبر کا پیمانہ لبریز کردیا وہ اسلام کا مسئلہ اخوت تھا۔ سابقون الاولون میں اکثر لوگ غریب اور غلام تھے۔ خاندانی فخر اور امارت کے متوالے سرِ بازار قریش ان کی برادری اور برابری کے دعوے قبول نہ کر سکتے تھے۔ لیکن ہونا کیا ہوا۔ اسلام نے اُن غریبوں اور غلاموں کے سروں کو خاک سے اُٹھا کر فلک الافلاک پر پہنچا دیا تھا۔ اس لیے سخت کشمکش شروع ہوگئی۔ نزلہ بر عضوِ ضعیف مے ریزد کی مصداق یہ غریب اور غلام ہی زیادہ قریش کے غصّے کے شکار ہوئے۔ حضور جو مرجع مومنین تھے آپ پر بھی عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اپنے تصور میں اسلام کے اس ابتدائی زمانے کو لاؤ اور دیکھو کہ کس طرح اور کیا کیا اذیتیں مسلمانوں نے اُٹھائیں۔

حضرت عمارؓ یمن کے باشندے تھے ان کے والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا۔ ایمان لانے والوں میں ان کا چوتھا نمبر تھا۔ ان کے

ساتھ قریش کا سلوک یہ تھا کہ انہیں گرم ریت پر لٹا دیتے اور مارتے مارتے
بیہوش کر دیتے تھے۔ ان کی والدہ کو جو ابوحذیفہ مخزومی کی کنیز تھیں اسلام
لانے کے جرم میں ابوجہل نے برچھی مار کر ہلاک کر دیا۔ اسی طرح ان کے
والد بھی دشمنوں کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھاتے شہید ہوئے۔

سنو یہ احد احد کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ یہ درد و کرب سے
کون کراہ رہا ہے۔ دیکھو یہ امیہ بن خلف کا حبشی غلام بلال ہے۔ خدا
کی توحید کے اقرار کے جرم میں تپتی ریت پر لٹا کر سینہ پر سنگ گراں رکھا
ہوا ہے۔ تاکہ جنبش نہ کرنے پائے شقی مالک کا اصرار ہے کہ اسلام سے
انکار کرو ورنہ جان سے جاؤ۔ مگر توحید کا نشہ ان ترشیوں سے اترنے والا
نہ تھا حضرت بلال گرم ریت سے جلتے تھے مگر اللہ احد پکارتے تھے
جب امیہ کی مرادیں بھی بر نہ آئیں تو آپ کے گلے میں رسی ڈال کر لونڈوں
کے حوالے کر دیا لیکن لوگ کیا جانیں کہ تشدد سے اس محبوب حقیقی کی
آتش عشق اور تیز ہوتی ہے۔

حضرت زنیرہؓ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں ابوجہل
نے قبول اسلام کے جرم میں انہیں اس قدر مارا کہ آپ کی آنکھیں جاتی
رہیں حضرت عمرؓ بھی اسلام لانے سے پہلے انہیں بے حد ستایا کرتے تھے۔

ابوفکیہہؓ جب اسلام لائے تو ان کا مالک صفوان بن امیہ بھی انہیں تپتی
ریت پر لٹا کر اوپر بوجھ والا پتھر رکھ دیتا تھا یہاں تک کہ آپ کی زبان باہر
نکل آتی تھی۔ ایک دن ایک گبریلا جا رہا تھا۔ امیہ نے حضرت ابوفکیہہؓ

سے طنزاً کہا کہ تیرا خدا ابھی تو نہیں! اُنھوں نے فرمایا کہ میرا اور تیرا دونوں کا خدا صرف اللہ تعالٰے ہے۔ اِس پر امیہ نے اُن کا اس زور سے گلا گھونٹا کہ لوگوں کو ان کی موت کا شبہ ہو گیا۔

حضرت لبیبہ ایک کنیز تھیں حضرت عمرؓ اسلام لانے سے قبل ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ میں تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس بنا پر چھوڑتا ہوں کہ تھک گیا ہوں۔

حضرت نہدیہ اور ام عبیس دونوں کنیزیں تھیں حضرت صہیبؓ غلام تھے جو اسلام لانے کے جرم میں ہمیشہ دشمنانِ دین کے معتوب رہے اور طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھائیں

حضرت زبیر بن العوامؓ کے ایمان لانے پر ان کا چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا تھا۔ حضرت ابوذرؓ نے جب اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے ان کو مارتے مارتے ہلکان کر دیا۔ غرض یہ کہ غریب مسلمانوں نے ظلم و تعدی کا بہادرانہ مقابلہ کیا۔ مگر اسلام سے منہ نہ موڑا۔

یہ تو عاشقان ہی کا حال تھا۔ اب پیغمبرِ خداؐ کی کیفیت دیکھو۔ پہلے دن جب دینِ مبین کا حال خدائے بحر و بر کی توحید بیان کرنے کے لیے اس کے اپنے گھر یعنی حرمِ کعبہ میں گیا تو بتوں کے پجاری خدائے واحد کے پرستار پر ٹوٹ پڑے۔ اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ حارث بن ابی ہالہؓ شورش کر دوڑے آئے۔ لوگ حضورؐ سے گستاخیاں کر رہے تھے۔ اس نے قیامت خیز منظر کو دیکھ کر بیچ بچاؤ کرنا چاہا۔ مگر ہر طرف سے

تلواریں مینہ کی طرح برسیں اور وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں معصوم
حارثؓ کے خون کے پہلے قطرے ہیں جن سے زمیں رنگیں ہوئی حضرت
حارثؓ کے یہ فخر اسلام پر کس مسلمان کو رشک نہیں۔ لیکن یہ رتبہ بلند
ملا جس کو مل گیا۔

ایک مرتبہ حضورؐ نماز کی نیت باندھے حرم کعبہ میں کھڑے تھے۔
عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن میں چادر ڈال کر اسے اس قدر مروڑا کہ
آپ کا دم رکنے لگا۔ پھر اس زور سے کھینچا کہ آپ فرش پر گر گئے اتفاق
سے حضرت ابوبکرؓ آ نکلے۔ انہوں نے آپ کو اس کے شر سے بچایا اور
مفسدوں کو مخاطب کر کے کہا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ۔
(کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے) یہ سن کر کفار نے
آنحضرت کو چھوڑ دیا اور صدیق اکبرؓ پر پل پڑے اور انہیں سخت زدوکوب کیا

ایک دن محبوب کبریا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی حالت
میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے ابوجہل کے اشارے سے اونٹ کی
اوجھڑی لا کر حضور پر ڈال دی اس عبرت انگیز منظر کو دیکھ کر مردم ناشناس
قریش ہنسنے لگے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اس حال کی خبر کر دی تو
پیارے باپ کی یہ حالت سن کر بیتاب ہو کر بھاگی آئیں کمر کے اوپر سے
اوجھڑی اٹھائی غصے سے عقبہ کو برا بھلا کہا اور بہت بددعائیں دیں۔
لوگ آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیا کرتے تھے آمادہ بہ آزار
ہمسائے حضور کے گھر میں پتھر اور گندگی پھینک دیتے تھے۔ تاہم آپ

متانت پناہی سے شکوے کا ڈھنگ نرالا تھا بحث تنگ آکر بھی یہی فرماتے کہ اے بنو عبد مناف! ہمسائیگی کا اچھا حق ادا کر رہے ہو۔ ابولہب کو جو آپ کا چچا تھا آپ سے بڑی کد تھی۔ آپ جہاں جاتے یہ سایہ کی طرح ساتھ جاتا۔ جہاں حضورؐ تبلیغ فرماتے۔ یہ بلند آواز سے کہتا جاتا۔ کہ صاحبو! یہ جھوٹ کہتا ہے۔ ابوجہل بھی ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتا اور جب لوگوں میں آپ کو عزت دین دیتے دیکھتا تو خاک اٹھا اٹھا کر پھینکتا اور کہتا جاتا کہ لوگو اس کے فریب میں نہ آنا جب آپ نماز کے بعد قرآن مجید پڑھتے۔ تو اسلام کے دشمن قرآن کو لانے والے اور قرآن کو اتارنے والے دونوں کو گالیاں دیتے۔

عبرت زاہد شب زندہ دار کی عافیت کوشیوں پر ماتم کر کے کہتی ہے راحت نا تنہائیوں کے شیدا انسان! اپنے پیغمبرؐ کی مصیبت کوشیوں کو دیکھ۔ گوشہ نشینی تو خدا کی محبت کی ابتدائی منزل ہے۔ اس منزل سے نکل کر میدان تبلیغ میں پہنچ۔ جب تک سر کو ہتھیلی پر رکھ کر اشاعتِ حق میں ہر کوچہ کی خاک چھاننے کا شیوہ اختیار نہ کرے گا۔ محبوب کی نظروں میں نہ جچے گا۔

ہجرتِ حبشہ

اب جب کہ مشرکوں کے جبر و تشدد کو مسلمانوں کے صبر کا امتحان لیتے پورے پانچ برس گذر گئے۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین

کی ایک مختصر سی جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی
اس حکم کا باعث یہ نہیں تھا کہ مسلمانوں کا پیمانۂ ثبات متزلزل ہو گیا تھا۔
کیونکہ ابتدا کے یہ پانچ برس جن کا ہر روز مومنین کے لیے روز قیامت
تھا لوگوں نے نہایت صبر و شکر سے گذارے تھے بلکہ یہ حکم اس لیے
دیا گیا۔ تاکہ خدا کے مقبول بندوں کی ایک جماعت ہر امکانی خطرہ سے
محفوظ ہو جائے جنگجو اور ناتربیت یافتہ قریش کی مخالفت کے باوجود
مکہ میں رہنا شیر کی کچھار میں بسر اوقات کرنے کے برابر تھا۔ کیا جانے
کبھی ایسا وقت آجائے۔ کہ آتش مزاج قریش یک بیک بھڑک اٹھیں
سب مسلمانوں کو ایک ہی دفعہ بہ تیغ کر دیں۔ اور دنیا میں ایک کلمہ گو باقی
نہ رہے چمنستان توحید کے مالی کو صرف یہ فکر دامنگیر تھی کہ ہو نہ ہو توحید
کا پودا مکے میں نہیں تو کسی اور ہی جگہ جا سرسبز ہو۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح خدا
کا نام دنیا میں بلند رہے۔ چنانچہ مہاجرین کی یہ پاک جماعت جو امراء
غریب، عورت مرد پندرہ اشخاص پر مشتمل تھی۔ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ
کو چلی گئی۔ مہاجرین کے نام حسب ذیل ہیں:-

۱-۲- حضرت عثمان رض مع اپنی زوجہ محترمہ رقیہ کے۔
۳،۴- ابو حذیفہ عتبہ مع اپنی زوجہ سہیلہ کے۔
۵- زبیر بن العوام رض
۶- مصعب بن عمیر رض
۷- عبد الرحمن بن عوف رض

۸، ۹۔ ابوسلمہ مخزومی مع اپنی زوجہ ام سلمہ کے۔
۱۰۔ عثمان بن مظعون جمحی۔
۱۱۔ ۱۲۔ عامر بن ربیعہ مع اپنی زوجہ لیلیٰ کے
۱۳۔ ابوسبرہ بن ابی رہم۔
۱۴۔ حاطب بن عمرو۔
۱۵۔ سہیل بن بیضا۔
۱۶۔ عبداللہ بن مسعود۔

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اذیت دینا مکہ کے بیکار امرا کا مشغلہ ہوگیا تھا۔ ہجرت کی خبر پاکر قریش نے مہاجرین کا تعاقب کیا حسن اتفاق کہ قریش اُس وقت ساحل سمندر پر پہنچے جب مہاجرین کا جہاز بندرگاہ سے رواہ ہوچکا تھا۔ نجاشی والیِ حبشہ مہاجرین کے ساتھ بڑی مروت سے پیش آیا اس کی انصاف پسندی کی شہرت مہاجرین کو بھی کھینچ لے گئی۔ اسلام کے دشمن قریش نے جب دیکھا کہ توحید کا پودا تو حبشہ میں بڑھنے لگا۔ جلدی جلدی عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص فاتح مصر کی سرکردگی میں ایک سفارت مرتب کی۔ پادریوں اور درباریوں کے لیے تحفے مہیا کیے گئے ترغیب وتحریص کے سارے اسباب فراہم کرکے یہ وفد مکہ سے اس لیے روانہ ہوا۔ کہ فرمانروائے حبشہ سے مل کر اہل اسلام کو حبشہ میں بہرہ مند ہونے سے روکے۔ قریش کے ان سفیروں نے پادریوں کے تعصب کو بھڑکایا اور درباریوں کے دہاں حرص میں تحفوں کا طعمہ ڈال کر ان کو مطمئن

کیا۔ اسی طرح والی حبشہ کے ہم نشینوں کو ہمنوا کر کے دربار میں پہنچے۔ اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب اختراع کیا۔ تو ہم نے اُن کو وطن سے نکال دیا۔ وہ آپ کی پناہ میں آ گئے۔ یہ ہمارے مذہب یعنی بتوں سے بیزار اور آپ کے دین یعنی نصرانیت کے مخالف ہیں۔ ان میں ہمارے غلام بھی ہیں اس لیے ان کو ہمارے حوالہ فرمایئے درباریوں نے نجاشی کو لگا بجھا کر ہموار کرنا چاہا۔ مگر اس منصف مزاج حاکم نے یک طرفہ فیصلہ نہ کیا۔ بلکہ محرموں کو بھی طلب کیا حضرت علی رم کے چھوٹے بھائی حضرت جعفر جو قادر الکلام اور فصیح البیان نوجوان تھے مسلمانوں کی طرف سے جواب دہی کے لیے اُٹھے اور بولے۔

"اے ملک! ہم جاہل اور بت پرست تھے۔ حرام خوار اور بدکار تھے ہم ہمسائے کو ستایا کرتے تھے۔ ہم میں سے قوی کمزور کا حق دبا جاتا تھا۔ غرض بھائی بھائی کا دشمن تا آنکہ ہم میں ایک رسول پیدا ہوا۔ جس کی شرافت۔ صدق اور دیانت کے ہم شروع سے شاہد ہیں۔ اس نے ہم کو توحید کا سبق دیا۔ بت پرستی سے روکا۔ ہمیں سچ بولنا سکھایا اور خون ناحق سے ڈرایا۔ یتیم کا مال کھانے کی ممانعت کی۔ ہمسایہ سے حسن سلوک کی تلقین فرمائی۔ اور اس نے کہا کہ عورتوں کی عصمت پر بدنامی کا داغ نہ لگاؤ روزے رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

"اے ملک! ہم اس پر ایمان لائے شرک اور کفر کو چھوڑا۔ اور عمل بد سے باز رہے یہ ہے ہمارا جرم۔ یہ لوگ ہم کو مجبور کرتے ہیں کہ ہم شرک کی گمراہی

میں پھر لوٹ آئیں۔"

نجاشی یہ سن کر مبہوت ہوگیا۔ پھر بولا کہ خدا کا کلام جو تمہارے رسول پر اترا ہے سناؤ۔ جعفر طیار نے سورہ مریم تلاوت کی کلام معجز بیان کو سُن کر نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور خدا کی قسم کھا کر کہا۔ کہ قرآن اور انجیل تو دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں پھر اپنے قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ تم سدھارو میں مظلوموں کو کسی کے حوالے نہیں کر سکتا۔

اس ناکامی کا منہ دیکھ کر بھی عمرو بن العاص کی کمر ہمت نہیں ٹوٹی پھر بیٹ پکڑے دربار میں پہنچا کہ صاحب یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے عقیدت نہیں رکھتے۔ نجاشی نے پھر مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ مہاجرین حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کے کہاں قائل تھے سب کو تردد ہوا۔ مبادا اظہار حق سے بانسہ پلٹ جائے اس لیے ڈرتے ڈرتے پھر حاضر ہوئے۔ نجاشی نے سوال کیا۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ حضرت جعفرؓ نے نتائج وعواقب سے بے پروا ہو کر برملا کہا کہ وہ خدا کا بندہ اور رسول ہے۔

نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھا کر کہا واللہ جو تم نے کہا، عیسےٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔

قریش کی سفارت ناکامی کا منہ دیکھ کر ٹھنڈے ٹھنڈے گھر پہنچی۔ اہل مکہ نے اپنی نامرادی کا حال سُنا تو آگ بگولا ہو گئے۔ سوچا کہ کیا کریں۔ بالآخر حرص پر عقل نے فتح پائی۔ اور ابوطالب کے پاس وفد لے جانے کی تجویز کی گئی۔ ابوطالب دنیا کے معاملات میں بہت ہوشیار تھے۔

انہوں نے ماتوں کے ایسے طوطے میا مائے کہ اراکین وفد بجائے ابو طالب کو قائل کرنے کے اُلٹے احمق بن کر واپس آئے۔

قیاس کہتا ہے کہ قریش ابو طالب کا ایسے ساتھ سلوک دیکھ کر سٹ پٹائے ہوں گے۔ اِس لیے پھر ایک اور وفد تیار کیا۔ ابو جہل۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ۔ ابو سفیان۔ عاص بن ہشام۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل جمع ہو کر پھر ابو طالب کے پاس پہنچے۔ ولیل کے بجائے دھمکی کو ساسب سمجھ کر صاف کہہ دیا کہ ابو طالب یا تو تم بیچ سے ہٹ جاؤ یا کھلم کھلا میدان میں آجاؤ۔ ابو طالب نے دنیا دیکھی تھی صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس کر کے آں حضرت کو بلا کر کہا۔ جانِ عم! مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ برداشت نہ کر سکوں لفظوں کا یہ اختصار معنی کا دریا تھا۔

آں حضرت کی کیفیتِ قلب کو عقل سے جانچو کہ حضور اصحاب کے کتنے طوفانوں میں گھرے کھڑے تھے۔ آپ نے پیارے چچا کی بات سُنی سینہ سے غم کا بادل اُٹھا آنکھوں سے آنسو بن کر برسا آپ نے چچا سے صاف کہہ دیا کہ خُدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند دیدیں تو بھی میں ادائے فرض سے باز نہ آؤں گا یا خُدا اس کام کو پورا کرے گا یا میں اس کی راہ میں کام آؤں گا۔

حب خالق کا عائد کردہ فرض مخلوق کی محبت سے ٹکراتا ہو تو فرض شناسی محبتِ مخلوق سے بہتر ہوتی ہے۔ اِس فرض شناسی پر خُدا کی کرم فرمائی دیکھو کہ حضور کو ایماں کے امتحاں میں پورا پاکر ابو طالب نے کہا۔

بھتیجے اجا۔ جو چاہے کر۔ تیرا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

جب قریش کو ابو طالب کے عزم کا علم ہوا تو بہت تلملائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرتے ہیں۔ تو لامتناہی جنگ چھڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس چھوٹے فتنے کا سدِ باب کرتے کرتے بڑی قیامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے دھمکی کے بجائے اب نرمی اختیار کرنے کی سوجھی۔ چنانچہ ایک اور موقع پر ایک خوبصورت نوجوان عمارہ بن ولید کو ہمراہ لیکر ابو طالب کے پاس پہنچے اور کہا کہ اے ابو طالب! محمدؐ ہمارے اور تمہارے دین کا مخالف ہے۔ اس کو ہمارے حوالے کر دو، اور اس خوبصورت نوجوان کو اس کے عوض تم پاس رکھو۔ یہ پختہ کار ابو طالب کچی گولیاں نہ کھیلے تھے منجسانہ انداز میں بولے۔ چہ خوب میرے بیٹے کو تم قتل کر دو اور تمہارے بیٹے کو میں پرورش کروں۔ قریش پھر بے نیل مرام واپس گئے۔

تدبیر کے ترکش سے جب دھمکی اور ترغیب کے سارے تیر ختم ہو چکے تو قریش تحریص کا حربہ آزمانے پر آمادہ ہو گئے۔ دنیا دار انسان کی خوشی کی کل کائنات دولت۔ طاقت اور حصولِ حُسن ہے۔ تاریخ کے اوراق اُلٹ پلٹ کر دیکھو یہی اقانیم ثلاثہ، سفلی خواہشات کا سرچشمہ ہیں۔ یہی دنیا طلبوں کے اعمال کے محرک نظر آئیں گے۔ اس لیے نبوت کی عظمت سے ناآشنا لوگوں نے یہی سمجھا کہ محمد کی سعی و عمل کا محور سوائے ان خواہشات کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ غلاظت کا کیڑہ پاکیزہ ہوا کی خوبی کیا جانے۔ مشرکوں کی چشم دنیا دار نے روحانی رفعتوں کا نظارہ کب کیا تھا۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ جب

آں حضرتؐ کے پاس قریش کی طرف سے پیغامبر بن کر آیا۔ تو کہا محمدؐ صاف صاف کہو۔ کیا چاہتے ہو۔ مکہ کی حکومت کسی بڑے گھرانے میں شادی، دولت کا ذخیرہ؟ ہم اس نئے مذہب کی تبلیغ سے باز آؤ۔ ابھی تمام مکہ تمہارے تابع فرماں ہوا جاتا ہے۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی کیا دے سکتا ہے۔ عتبہ صرف ہاں کا منتظر کھڑا تھا لیکن سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر فانی دنیا کی عارضی حکومت و دولت اور زوال پذیر حسن پر نہ تھی بلکہ وہ اس عاقبت کے طلبگار تھے جہاں ان سب چیزوں کا پروردگار خود جلوہ گر ہے۔ اور جس کی ایک نظرِ کرم دنیا کی دولت اور حکومت سے ہزار درجہ بہتر ہے جس کی ایک نگاہِ خشم سینکڑوں دوزخوں کے برابر ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان ترغیبات کا جواب وحی ربانی کے الفاظ میں یوں دیا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ
(حم السجدہ)

اے محمدؐ کہہ دے کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں محمدؐ پر وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ بس سیدھے اس کی طرف جاؤ اور معافی مانگو۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ
بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ
وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ
الْعٰلَمِيْنَ (حم السجدہ)

کہہ دے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو۔ جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کی اور تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو۔ یہی سارے جہان کا پروردگار ہے۔

اور آپ جس وقت دوسرے رکوع کی اس آیت پر پہنچے فَاِنْ اَعْرَضُوْا

فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صَاعِقَۃً مِّثْلَ صَاعِقَۃِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ تو عتبہ کا رنگ
فق ہو گیا عسہ دل کا ملک طبیعت کا شریف تھا حضور کے قلب کو دنیوی
خواہشات کی آلائشوں سے خالی پایا۔ تو متعجب ہو کر واپس آیا۔ اور سب سے
کہا کہ صاحبو! محمد جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری نہیں۔ ہم اُسے اپنے
حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ عرب پر غالب آیا۔ تو ہمارا بول بالا ہو گا اگر حال سے
گیا تو تم سستے چھوٹے۔ مگر نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے۔ سب
نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ محمد کا جادو تم پر بھی چل گیا۔

حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ

آں حضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کی طبیعت میں سپاہیانہ لاابالی پن تھا۔ اور اُن کی زندگی کی ساری دلچسپیاں صید افگنی میں تھیں وہ صبح شکار کھیلنے گھر سے نکلتے اور شام کو واپس آتے تھے ادھر ہاشمیوں کا دبدبہ حضرت حمزہؓ کے زور بازو کا بڑی حد تک احسان تھا۔ ادھر وہ قریش کے دربار کے بھی ایک رکن تھے۔ ایسے بہادروں کو حوادثِ زمانہ کی طرف توجہ کرنے کی فرصت کہاں ہوتی ہے جھوٹ کی لعنت کے لئے شرک اور توحید میں جو ہنگامہ رہا تھا وہ اس سے اس وقت تک بے پروا اور بے نیاز رہے تھے۔ اگرچہ عقیدے کے لحاظ سے تو وہ مشرکوں کے ساتھ تھے۔ تاہم انہیں آنحضرت سے بے حد محبت تھی۔ چچا بھتیجا ہونے کے علاوہ آپ رضاعی بھائی بھی تھے۔ کیونکہ دونوں ثوبیہ کا دودھ پی کر پلے تھے۔ عمر میں صرف تین برس کا فرق تھا۔ اور ساتھ کھیلے تھے گویا محبت کے سارے رشتے قائم تھے لیکن اس کا اظہار نہ ہوا تھا۔

ذرا ایمان کو دیکھو۔ کہ کن کن گوشوں سے دل میں آتا ہے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ابوجہل نے حسب دستور آں حضرتؐ کو سخت اذیت دی آپ ہرچہ مرضی مولیٰ ازہمہ اولیٰ کہہ کر خاموش رہے۔ ایک کنیز جو اور صبر

کے اس نظارے کو دیکھ رہی تھی حضرت امیر حمزہ، جو شکار سے لوٹے تو کنیز نے اُن سے ابوجہل کی گستاخی کا تذکرہ کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھتیجے کی داستانِ مصیبت سُن سُن کر چچا کے صبر کا پیمانہ پہلے ہی لبریز ہو چکا تھا یہ واقعہ سُن کر بالکل چھلک گیا۔ اس وقت ابوجہل حرم میں روسائے شہر کے ساتھ دربار لگائے خوش گپیوں میں مشغول تھا۔ یہ بہادر بپھرے ہوئے شیر کی طرح پہنچے تیر و کمان سنبھال کر ابوجہل کو للکارا کہ اے ابو جہل! میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ دم خم ہے تو اُٹھ اور زور آزمائی کر۔ ہر چند ابوجہل بہت کا ہیٹا نہ تھا۔ مگر احتیاطاً کو دانائی کا بہترین جزو خیال کر چکا ہو رہا اور نتیجہ آزمائی پر سکوت کو ترجیح دی۔ حضرت امیر حمزہؓ کے اعلانِ اسلام نے مکہ کے چھوٹے موٹے لعنگوں کو بالکل محتاط اور مزدوب بنا دیا اور اکثر سرکش بھی آں حضرت کے سامنے سے سر کھجلاتے نکل جاتے تھے۔ اور کسی کو گستاخی کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔

حضرت حمزہؓ کے اعلانِ اسلام نے قریش کے کلیجے میں ناسور ڈال دیا حضرت حمزہ ستائیس برس کے تھے۔ اور یہی نہیں کہ وہ اسلام نہ لائے تھے بلکہ جوانی کے تقاضے اور سخت گیر طبیعت نے اُن کی اسلام دشمنی کو جنون کی حد تک پہنچا رکھا تھا۔ لبینہ جو اُن کے خاندان کی کنیز تھیں اسلام لائیں۔ تو اُن کی آنکھوں میں غصّے سے خون اُتر آیا۔ اس غریب کو مارتے مارتے بیہوش کر دیتے اور جب تھک جاتے تو چھوڑ دیتے جب انہیں ہوش آتا تو مار پیٹ کا سلسلہ از سرِ نو شروع کر دیتے اُن کی یہ دست

درازیاں لبینہ تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ جو مسلمان ان کے ہتھے چڑھ جاتا اذیت
اٹھاتا تھا۔ اس پر جب اسلام کو دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتے پایا تو
معاملہ ان کی برداشت سے باہر ہوگیا۔ ایک دن تلوار ٹیک کر اٹھے۔ کہ چلو
آج چل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کر دیں۔ نعیم بن عبداللہ جو حضرت عمرؓ
کے قرابت دار تھے۔ اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے انہیں
راہ میں ملے۔ اور تیوروں سے دل کی کیفیت کا اندازہ کر کے بولے اے
عمرؓ! کہاں کا عزم ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ بس محمد کا خاتمہ کرنے
جا رہا ہوں۔ نعیم بولے کہ بھائی محمد کا خاتمہ تو پھر کر لینا پہلے بہن اور بہنوئی
کی خبر لو کیونکہ وہ بھی تو اسلام کے غلام ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر
آگ بگولا ہو گئے۔ طوفان کی طرح بہن کے گھر کی طرف بڑھے۔ اتفاق
وقت کہ آپ کی ہمشیرہ فاطمہؓ با آواز بلند قرآن پڑھ رہی تھیں۔ پاؤں کی
آہٹ پا کر چونکیں اور قرآن کے اوراق چھپا لیے۔ حضرت عمرؓ نے گھر
میں داخل ہوتے ہی بہنوئی حضرت سعید کو ڈانٹ بتائی کہ تم مرتد ہو گئے
ہو۔ پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ انہیں لپٹ گئے۔ فاطمہؓ چھڑانے اٹھیں۔
حضرت عمرؓ نے بہنوئی کو چھوڑا اور بہن کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔ فاطمہؓ
نے غصے سے جھنجھلا کر کہا کہ جو جی چاہے کرو۔ ہم تو اسلام کے غلام اور
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہو چکے ہیں۔ یہ فیصلہ کن اور سنجیدہ جواب
سن کر حضرت عمرؓ نے نظر اٹھائی۔ بہن کو لہو میں لت پت پایا۔ اس
راسخ عزم اور خونی نظارے نے پتھر دل کو موم کر دیا۔ اور طبیعت کا رخ

ظلمت سے ہٹا کر نور کی طرف پھیر دیا حضرت عمرؓ نے ذرا بدلے ہوئے
لہجے میں کہا اچھا جو تم پڑھ رہے تھے وہ ذرا مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے
طبیعت کے انقلاب کو چہرہ کے رنگ اور بدلے ہوئے لہجے سے
بھانپا موقع غنیمت جان کر قرآں کے اجزا سامنے رکھ دیے حضرت
عمرؓ نے اس سورۃ کو پڑھنا شروع کیا۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ	اللہ کی پاکیزگی بیاں کرتے ہیں سب
وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ	کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ	زبردست حکمت والا ہے اسی کی سلطنت
وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	ہے آسمان اور زمین کی وہی حیات دیتا ہے
هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ	اور موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے
وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ	وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے وہی ظاہر
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ	ہے اور وہی مخفی ہے اور وہ ہر چیز کا جو
الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ	جانے والا ہے۔ ایسا ہے کہ اس نے زمین
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا	و آسمان کو چھ دور میں پیدا کیا۔ پھر تخت پر قائم
يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ	ہوا وہ سب کچھ جانتا ہے۔ جو چیز زمین کے
مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ	اندر داخل ہوتی ہے۔ اور جو چیز اس میں سے
وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ	نکلتی ہے۔ اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے
اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے اور وہ تمہارے
بَصِيْرٌ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ	ساتھ رہتا ہے جہاں تم لوگ کہیں بھی ہو اور

الْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ يُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الحدید)

وہ تمہارے سب اعمال بھی دیکھتا ہے اسی کی سلطنت ہے آسمان اور زمین کی اور اللہ کی طرف سب امور لوٹ جائیں گے وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور دل کی باتوں کو جانتا ہے تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

جب یہاں تک پہنچے۔ تو شوکتِ الفاظ اور جلالِ خداوندی کے اس بلیغ بیان نے آنکھوں کے سامنے نئی دنیا کھول کر رکھ دی۔ ایک طرف غضبِ الٰہی کا شعلہ خیز دوزخ نظر آنے لگا۔ دوسری طرف لطفِ خداوندی کی اطمینان بخش جنت نگاہ کے سامنے جلوہ افروز ہوگئی جب حضرت عمرؓ آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ پر پہنچے تو بے ساختہ کلمۂ طیبہ زبان سے نکل گیا اور اسی طرح ہاتھ میں تلوار لیے بہنوئی کے گھر سے نکل کر ارقم کے گھر کی طرف چلے۔ ارقم کا مکان کوہِ صفا کے دامن میں واقع تھا اور بتروس سے مومنین کی عبادت گاہ بنا ہوا تھا مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کو یوں شمشیر بکف آتے دیکھا تو سخت پریشان ہوئے لیکن حضرت حمزہؓ جو دنیا کے کسی خطرے کو خاطر میں نہ لاتے تھے نہایت اطمینان سے بولے کہ آنے دو۔ اگر اچھی نیت سے آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا چنانچہ دروازہ پر دستک دی آواز سن کر کواڑ کھولے گئے حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو آں حضرت صلعم آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرما

کہو عمرؓ! کیا ارادہ ہے! حضرت عمر کی جھکی ہوئی آنکھیں ان کے عزم کا پتہ دے رہی تھیں تاہم حضرت عمر نے لڑکھڑاتی ہوئی زباں سے عرض کیا۔ کہ حضور ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آں حضرتؐ نے جوشِ مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ارقم کے گھر میں جتنے مسلمان موجود تھے وہ بھی اس زور سے اللہ اکبر پکارے۔ کہ تکبیر کی صدائے بازگشت سے مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ اور دینِ اسلام کا بول بالا ہوا حضرت عمرؓ کی طبیعت جوش کا سمندر تھی۔ وہ نوت جو اب تک تخریبِ اسلام میں صرف ہوتی تھی اب تعمیر دین کے لیے وقف ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے کفر کے دل پر اور بھی ہیبت چھا گئی۔ اور مسلمان بے روک ٹوک کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔

قریش کے لیے حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کا صدمہ نا قابلِ برداشت تھا اب حضرت عمرؓ کے اسلام نے اُن کو بالکل متوحش کر دیا چنانچہ ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی گئی اور تدبیر کے گھوڑے دوڑائے جانے لگے۔ آخر صلاح ٹھہری۔ کہ بنو ہاشم سے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور رعایت سے باز نہیں آتے ترکِ موالات کیا جائے چنانچہ قبائل نے مل کر قطع تعلق کا ایک معاہدہ مرتب کیا تاکہ ہاشمیوں سے روٹی بیٹی اور لین دین کے تعلقات نہ رکھے جائیں۔ تاوقتیکہ تنگ آ کر حضور کو قتل کے لیے حوالے کر دیں۔ ادھر قبائل میں یہ قرارداد منظور ہوئی ادھر ابوطالب نے تجربہ کی روشنی میں خطرہ کو بھانپا۔ وہ مختلف قبائل کے متحد ہونے کی اہمیت کو خوب

سمجھتے تھے۔ چنانچہ عمر کے بڑے بڑے عقل کے حوال ابوطالب فوراً تمام
خاندان کو لے کر پہاڑ کے ایک درے میں محصور ہو بیٹھے۔ تاکہ اپنا کٹ حملے
سے خاندان محفوظ رہے اور آں حضرت کی جان جوکھوں میں پڑ سکے۔ یہ درہ
خوہاشم کا موروث اور شعب ابوطالب کے نام سے معروف تھا۔ محاصرہ
کی شدت نے محصورین کو سخت تکلیف میں مبتلا کردیا۔ کئی کئی دن تک
کھیل تک اُڑکر رہ گئی۔ صحابہ نے پتیاں اُبال اُبال کر پیٹ بھرا۔ چمڑے وغیرہ کو
آگ پر بھون بھون کر کھانے پڑے بھوکے بچوں کے رونے کی آوازیں
مسلمانوں کے لیے سوہان روح تھیں۔ لیکن مشرکوں کے لیے ایسی سامعہ
نواز تھیں کہ وہ انہیں سُن سُن کر خوش ہوتے اور اپنی کامیابی پر ناز کرتے
تھے۔ ہاشمیوں کی تکلیف اور مصیبت کی اس زندگی نے تین برس تک
طول کھینچا۔ اگرچہ آں حضرت کا خاندان ابھی تک ایمان نہ لایا تھا۔ مگر نبی کے
قرب نے اُن پر مصائب کے باوجود ایک کیف اور سرور طاری کر رکھا
تھا۔ پیغمبر کے فیضِ صحبت سے مشرک ہاشمیوں کا آں حضرت کے لیے یہ
ایثار ناواقف انسانوں کے لیے اک راز بن کر رہ گیا۔ اس لیے وہ ہاشمیوں کی
اس حیرت انگیز ثبات پا ہی کو صرف خاندانی عصبیت قرار دیتے رہے بیشک
وہ مجبور تھے۔ کیونکہ عام دنیادارنبی کے قرب کی اطمینان بخشیوں اور اعجاز
نمائیوں سے واقف نہیں ہوتے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ خاندان والوں نے
آں حضرت کو جتنا قریب سے دیکھا انہیں نورعلیٰ نور پایا۔ اگرچہ وہ ایمان
نہ لائے لیکن آپ کے محاسنِ اخلاق کے پہلے سے زیادہ قائل ہوگئے اور

اس کا دل نہ چاہا کہ نور کی اس شمع کو مخالف ہواؤں کے حوالے کر دیں۔ اس لیے انہیں جان سے لگائے رکھا۔

دوسرے قبائل میں جو لوگ بنو ہاشم کے قرابت دار تھے ہاشمیوں کی اس بدحالی کو دیکھ کر خونِ جگر پیتے تھے۔ مگر سردارانِ قریش کے خوف سے دم نہ مارتے تھے۔ ہشام عامری خاندان بنو ہاشم سے قرابت رکھتا تھا۔ ایک دن جو اس کے دل میں رحم آیا تو وہ اٹھ کر ہاشمیوں کے دوسرے قرابت داروں کے پاس گیا اور سب کو شرم دلائی۔ کہ تم کھائی کر مزے اڑاتے ہو۔ حالانکہ تمہارے عزیز محصور ہو کر فاقوں مر رہے ہیں جنگجوؤں کے افراد کا عجیب حال ہوتا ہے۔ کبھی ہاتھی سر پر سے گذر جائیں۔ تو ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ کبھی ذرا سی بات پر بھڑک اٹھیں۔ تو طوفان اٹھا دیں۔ ہشام کے طعنے سے زبیر، معطم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود۔ اور ابو البختری بن ہشام حرم میں پہنچے۔ اور درِ حرم پر لٹکے ہوئے معاہدہ کو چاک کر دیا۔ پھر ہتھیار باندھ کر شعب ابو طالب میں بنو ہاشم کے پاس گئے۔ غرض یہ تھی کہ گھروں کو چلو۔ جو شخص تمہارے مزاحم ہوگا موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اس طرح تین برس کے بعد پھر بنو ہاشم گاؤں میں زندگی بسر کرنے لگے۔

عامُ الحزن

خدا کی محبت کا دعوٰے بھی کیسی کٹھن منزل اور مشکل گھاٹی ہے ایک مہم سر نہیں ہوتی کہ رکاوٹ کا دوسرا پہاڑ سامنے آتا ہے۔ آں حضرت کے مصائب کو لکھتے لکھتے قلم تھک جاتا ہے مگر تکالیف کا لامتناہی سلسلہ ختم ہونے

میں نہیں آتا انسانوں کی اولوالعزمیوں کی تاریخ کو دیکھو ایسا کوہ وقار اور صاحب عزم شخص کسی کو نہ پاؤ گے۔ بعثت کے دس سال پورے ہو چکے تھے شعب ابی طالب سے نکلے کچھ دن ہوئے تھے کہ تدبر کے شاہ سوار محسن اور معاون چچا ابو طالب عمر کی اسی منزلیں طے کر کے سفر دنیا طے کر گئے۔ اس صدمۂ جاں کاہ کا حال کوئی آں حضرت کے دل سے پوچھے حضور کی زندگی کے پچاس برس میں ایک لمحہ ایسا آیا تھا کہ پیارے چچا کی طرف سے کبھی دل میلا ہوا ہو۔ نہ چچا پر ایسا دن آیا کہ آنکھ گھری کی ابو طالب ٹھنڈا سایہ تھے اور ان کی پناہ حصار سے زیادہ محفوظ تھی ان کی موت نے خاندانِ ہاشم کو یتیم کر دیا۔

ابھی ابو طالب کا کفن میلا نہ ہونے پایا تھا کہ حضور کی شریک زندگی حضرت خدیجۃ الکبریٰ اپنی محبت اور ایمان کا غیر فانی نقش چھوڑ کر دنیا سے رحلت فرما گئیں آپ مصیبتوں میں وجہ تسکین اور پریشانیوں میں صدرت تسلی تھیں حضور نے سحیم پرنم خود حبار و قبر میں اتارا۔ تم قیاس کر سکتے ہو کہ ان دو صدموں سے آں حضرت کے لیے دنیا کس طرح اندھیر ہو گئی ہو گی!

چنانچہ اسلام کی تاریخ میں یہ سال عام الحزن یعنی سال غم کہلاتا ہے بیشک حضور نے کسی کے عالم میں خدا کی امداد چاہی ہے۔ اور تکلیف کے وقت بھی اسی کا سہارا ڈھونڈتے تھے۔ مگر عزیزوں کی موت کا غم تقاضائے بشریت ہے۔ دنیا میں محسنوں کے احسان کو فراموش کرنا حضور کے شایانِ شان نہ تھا۔ کاش تنہائیوں کے مونس اور مصیبتوں کے یہ ساتھی اس وقت

تک زندہ رہتے جب فتح مکہ کے بعد آمنہ کا لال عبداللہ کا بیٹا، رحمت اور عفو کا تاج پہن کر کوہ صفا پر جلوہ افروز ہوا۔ مگر مشیتِ پروردگار یہی تھی۔ کہ اس کا بندہ دنیا کے سارے سہارے چھوڑ دے اور سارے سلسلے توڑ دے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پیغمبر آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظفر مندیاں فلاں شخص کی شرمندۂ احسان ہیں۔

کہتے ہیں کہ شاعر میں شجاعت نہیں ہوتی یہ سچ ہو یا جھوٹ۔ مگر تدبیر کا خانہ تو الا ماشاء اللہ اکثر خالی ہوتا ہے۔ خیالی مضامین کے ہجوم سے دماغ میں ایک بغاوت سی بپا رہتی ہے۔ مگر ابوطالب شاعر بھی تھے اور مدبر بھی ان کی تدبیروں کے سامنے قریش کے بڑے بوڑھے بھی طفلِ مکتب تھے۔ وہ واقعات کا مطالعہ نظرِ غائر سے کرتے اور دور رس عقل سے حالات کو بھانپ جاتے تاہم نتیجہ جلد زباں پر نہ لاتے تھے اسی لیے ان کے کفر اور ایمان کی بحث ایک معمہ بن کر رہ گئی اس عقدہ کی جتنی گرہ کشائی کی جائے اتنا ہی الجھا ہوا نظر آتا ہے۔ بنابریں کچھ لوگ تو اس کے کفر کے قائل ہیں۔ کچھ ایمان کی تصدیق کرتے ہیں جب ایک طرف ان کی غیر متزلزل محبت اور مسلسل جاں نثاریوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ تو ان پر ایک مومن کے اخلاص کا گماں گذرتا ہے۔ دوسری طرف آں حضرت کو بلاکر تبلیغِ دین سے باز رکھنے کا مشورہ سامنے آتا ہے۔ تو حمایت کا سارا جوش خاندانی عصبیت اور محبت کا تقاضا معلوم ہوتا ہے عقل کی نکتہ آفرینیوں کو چھوڑ کر نقل کی طرف رجوع کیا جائے تو وہاں بھی مختلف روائتوں کے

درجہ اسناد میں چنداں فرق معلوم نہیں ہوتا۔ بخاری اور مسلم کی روایت یہ
ہے۔ کہ ابو طالب کی وفات کے وقت آں حضرت بھی تشریف لے گئے
اور وارداریاں کی تبلیغ کی۔ اس کے جواب میں ابو طالب نے انکار کیا۔
ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ابو طالب نے کلمہ پڑھا اور حضرت عباس نے
کان لگا کر سنا۔ اول الذکر روایت مرسل ہے۔ دوسری میں ایک راوی رہ گیا
ہے۔ لیکن صحیح بخاری اور مسلم کی روایت کا درجہ سب بلند ہے۔

طائف

ادھر ان دو رفیقوں نے دنیا سے منہ موڑا۔ ادھر قریش نے پھر آنکھیں
بدل لیں۔ نئے سرے سے اپنے دکھے مسلمانوں پر حملے شروع ہوگئے
ایک دن حضورؐ گھر آرہے تھے۔ کہ کسی شقی نے سر پر خاک ڈال دی حضورؐ
کی صاحبزادی حضورؐ کا سر دھوتی تھیں اور زار زار روتی تھیں۔ بیٹی کی سسکیاں
سن کر آں حضرتؐ بولے۔ جان پدر مت رو۔ خدا تیرے باپ کی حفاظت
کرے گا۔ غیرت نے پھر حسرت کی آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا
کہا کہ اے آسمان دنیا کے محسن کے ساتھ یہ معاملہ!
خدا کی راہ میں مصیبت اٹھانے والوں کے اطمینان قلب کی
پوچھو۔ ان کے دل کا کوئی گوشہ غیر آباد نہیں ہوتا۔ سرورِ دوعالم کی دولت
لذت آشنا جان خدا کی راہ میں لاکھوں مصیبتیں اٹھا کر بھی نہ اکتاتی۔ اگر
مکے میں ہی ساری عمر تکلیفیں اٹھاتے چلے جاتے مگر عمر کی کوتاہی اور

زمین کا خیال پیش نظر تھا۔ اس لیے مکہ میں کامیابی کی راہیں مسدود پاکر طائف کو چلے۔ کہ شاید اسی جگہ نخل توحید پھلے پھولے اور بارآور ہو۔

طائف عرب کی ملکۂ مکہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہاں کی سبز پوش چراگاہیں اور زرخیز زمینیں، رنگیں ادا محبوب کے دلفریب تبسم کی طرح مسافر کی نگاہوں کے سامنے اُٹھتی ہیں۔ اس کے باغوں کی سہتاب سایہ دار درختوں۔ تمر ور شاخوں اور ٹہنیوں سے لٹکتے ہوئے انگوروں کو دیکھ کر راہرو "فردوس برروئے زمین" پکار اٹھتا ہے۔ خدا کی قدرت ہے کہ جو سرزمین دنیا کی دولت سے مالا مال ہوتی ہے۔ وہی نیکی کے لحاظ سے بنجر ہوتی ہے۔ بھلائی کا پودا وہاں قسمت ہی سے بارآور ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ شادمانی کی کل کائنات رنگینیاں لوخاستہ اور عروسانہ لوآراستہ ہوتی ہے۔ فارغ البال لوگ خوشیوں کی تلاش میں گمراہیوں کے صحرا میں کھو جاتے ہیں۔ سراب ناگاہ آنکھوں کے سامنے خوشیوں کی پُرفریب جنت کھول دیتے ہیں۔ اور لوگ سُرعت سے اس کے پیچھے لپکتے ہیں۔ حتیٰ کہ سبعہ صحرا میں پہنچ کر مایوسیوں سے جان دے دیتے ہیں۔ طائف کے ارباب اثر و اقتدار کا حال دنیا کے عام امراء سے کچھ مختلف نہ تھا۔ تاہم آں حضرتؐ غرور نسب کے نشہ میں سرشار قریش کی بستی کو چھوڑ کر جاہ و دولت سے مدہوش اہل طائف کے پاس تشریف لے گئے۔ زید بن حارثؓ جو کبھی غلامی سے آزاد ہو کر محبت کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے آں حضرتؐ کے ہمراہ تھے۔ اس جگہ عمیر کا خاندان

اردو میں ممتاز تھا۔ عبد یالیل، مسعود اور حبیب تینوں بھائی اس خاندان کے سردار سمجھے جاتے تھے آں حضرتؐ پہلے ان کے پاس ہی پہنچے۔ دولتِ دنیا سے تہی دست، شان و شوکت سے خالی، ایک خستہ تن مسافر کا کسی امیر کے ہاں جانا ہی گستاخی تصور کی جاتی ہے۔ پھر اس پر ستم یہ کہ وہ انہیں کوئی نیکی اور سعادت کی راہ بتانے جائے۔ امرا کی طبیعت بھلا ایسی بے ادبیوں کی متحمل کہاں ہوتی ہے۔ لگے مذاق اڑانے اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے ایک نے کہا۔ صاحب تجھے خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔ دوسرا بولا ارے بھئی یہ تو بتاؤ۔ تمہارے سوا خدا کو کوئی اور رسول نہ ملتا تھا۔ تیسرا پاس سے پکارا۔ میں بہرحال تجھ سے بات نہیں کر سکتا۔ اگر تو سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے اور اگر تو جھوٹا ہے تو گفتگو کے لائق نہیں۔

امارت اور اقتدار سہی کیسی اور وہمیت پیدا کرتے ہیں۔ امراء غریبوں کو خاطر میں نہ لانے کے خوگر ہوتے ہیں۔ دنیا کے آرام و آسائش کو سرا کی دسترس سے باہر پاکر روحانی مملکت کے مدارج و مناصب کا قیاس بھی اسی پر کرنے لگتے ہیں۔ خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر ان سے کچھ بڑا انسان نہ سہی مگر برابر کی ٹکر کا تو ضرور ہو۔ یہ کیا کہ خدا کا نبی خدم و حشم کے ساتھ نہ آئے بلکہ کے اربابِ کبر و نخوت ہمارے پیمبر آقا منکسر المزاج مولیٰ کو جب بااں ہمہ دعوائے نبوت عجز سے گردن جھکائے گلیوں میں تنہا چلتے پھرتے دیکھتے، تو اسی قسم کی باتیں کرتے تھے جو طائف کے ان ارباب

اقتدار کی زبان پر بے اختیار آگئی تھیں۔ ان لوگوں کو کیا خبر کہ ظاہری دنیا کے قانون باطنی مملکت پر حاوی نہیں۔ وہاں تو جو گردن جھکاتا ہے بلندی پاتا ہے۔ جو اکڑتا ہے نیچا دیکھتا ہے۔

غرض یہ یاس انگیز اور عبرت خیز جواب پاکر آں حضرتؐ ان امرا کے گھر سے نکلے مگر جاتے کہاں۔ ان بے کار امرا کو مدت کے بعد ایک مشغلہ ہاتھ آیا تھا تفننِ طبع کے لیے وہ پہلی گفتگو ناکافی تھی۔ اس لیے شہر کے اوباشوں کو اشارہ کیا گیا۔ اور امرا کے حاشیہ نشین لفنگے رسول کریم پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ بازار کے لونڈے ہمراہ ہو لیے اور گستاخیاں کرنے لگے وہ لوگ گالیاں بکتے تھے۔ اور تالیاں بجاتے تھے۔ یہ شور سن سن کر شہر کے سب لفنگے جمع ہو گئے۔ اور بازار میں دو رویہ کھڑے ہو گئے۔ دنیا کا محسن جدھر سے گذرتا تھا۔ یہ شقی اس پر پتھروں کی بارش کرتے تھے۔ حضور لہولہان ہو گئے تو بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر گھائل ہو کر زمین پر گرے مگر کسی نے آپ پر رحم نہیں کھایا بغل میں ہاتھ دے کر اٹھا دیے گئے حضورؐ اٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے چلے۔ پھر پتھر برسانے شروع کر دیے گئے حضور یوں ہی زخموں سے چور چور۔ خون سے لت پت سراسیمہ ہو کر طائف سے جوں توں باہر نکلے۔ شہر کے باہر تین میل تک بدمعاشوں نے آپ کا پیچھا کیا۔ آخر آں حضرتؐ ایک باغ میں پہنچے اور وہاں پتھروں کی بارش سے پناہ پائی۔ یہ باغ مکہ کے رئیس عتبہ بن ربیعہ کا تھا جس نے عربی رافت برتی۔ اپنے غلام کے ہاتھ انگوروں کا ایک نہایت عمدہ خوشہ

بھیجا آں حضرت کے غلام بیک فرجام زید بن حارثہ دین و دنیا کے آقا کو بچاتے بچاتے خود زخمی ہو گئے۔ تاہم اس بارِ عزیز اور متاعِ گراں کو جوں توں لے کر نحلہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں آں حضرت نے چند دے قیام فرمایا۔ اور پھر مکہ تشریف لے گئے۔

پیغمبر کا ہر عمل درس کی ایک دنیا ہوتا ہے۔ جو لوگ گوشِ ہوش رکھتے ہیں۔ وہ آں حضرت کے دہانِ زخم سے تیرہ سو سال کی نکلی ہوئی اور فضا میں بکھری ہوئی آواز کو اب بھی سن سکتے ہیں۔ کہ محمد خالقِ ارض و سما کے بس میں ہے۔ مگر خالق، مخلوق کے بس میں نہیں دنیا کے قوی اور جری نبی اور ولی سب اس کے تابع فرماں ہیں کوئی اس کی مصلحت اور رائے کا مالک نہیں۔ طائف میں آں حضرت کی بے بسی کی اس نمائش سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی۔ کہ کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی خدائی میں تصرف نہیں کر سکتا۔

فطرتِ انسانی کا نبض شناس آقا جانتا تھا۔ کہ امرا الا ماشاء اللہ احدِ خیر کی قابلیتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ طائف میں جانا یا نہ جانا اگر ان کے بس کی بات ہوتی تو شاید ادھر کا رُخ نہ کرتے مگر پیغمبروں کا ارادہ کسی اور ارادے کے ماتحت ہوتا ہے۔ وہ جاتے نہیں بلکہ لے جائے جاتے ہیں۔ پیغمبر کو تو امیر و غریب تک پیام پہنچانا ہوتا ہے۔ عمل کرانا اس کا فرض نہیں علاوہ ازیں مشیت اس حقیقت کو اور واشگاف کرنا چاہتی تھی کہ ہاتھی سوئی کے ناکے میں سے گذر سکتا ہے۔ مگر دولتمند کے لیے جنت

میں جانا سہل نہیں۔ یہ سچائی بہت سے پیغمبروں سے بیاں کی حضورؐ کے عمل سے مکہ اور طائف میں ظاہر ہوئی۔ دونوں مقامات کے امراء کی مخالفت، امت کے ارباب اقتدار کے لیے تنبیہہ ہے۔ یاد رکھو دولت اور اقتدار حرام نہیں ہاں ان کا نشہ حرام ہے۔ دنیا کماؤ کرامت کے کام میں لاؤ۔ جو دو استعمال کرو گے تو تمہار چڑھے گا۔ دنیا کی ہوس کھو کر عاقبت خراب کرو گے۔

طائف میں حضور کا ورود جہاں اُمراء کے لیے تنبیہہ ہے وہاں علما کے لیے درس عبرت ہے۔ خُدا کی بندگی کا دعویٰ محض زبانی عبادت پر موقوف نہیں۔ بلکہ پتھروں کی بارش میں خون سے وضو کر کے نماز کی بیت کرنا پڑتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔ کہ کارِ دنیا سے کارِ دیں مشکل ہے۔ تقویٰ فروشیوں اور عبادت گذاریوں کی نشر و اشاعت سے متبعین کی تعداد میں اضافہ کرنا دین نہیں۔ ہاں جان کا خدمت گذاریوں سے بنائے ملت کو استوار کرنا باعثِ اجر ہے۔ اِس شمع ہدایت کی روشنی میں دین کا دشوار گذار راستہ ڈھونڈو۔ اِدھر اُدھر ہٹنے میں ٹھوکر کا احتمال ہے۔ حجروں سے نکل کر میدان میں آؤ۔ میدان ہی مخلص اور ریاکار کی امتحان گاہ ہے۔ اسلام کو دین مسیحی نہ تصور کرو۔ ایسا نہ ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبتوں کو ملت کے گناہوں کا کفارہ سمجھ کر خود تن آسانیوں اور راحت پسندیوں میں مبتلا ہو جاؤ۔

اس وقت تک تو لوگ انفرادی طور سے دینِ متین میں داخل ہوتے

رہے۔ مگر اس کے بعد اجتماعی قبولیت کا باب وا ہونے والا تھا۔ آں حضرت کا معمول تھا کہ ایام حج میں زائرین حرم کے پاس جا کر تبلیغ فرمایا کرتے تھے اس کے علاوہ آپ عام اجتماعات میں بھی تشریف لے جاتے تھے تاکہ حق کی کوشش کے جویا لوگ حقیقی شادمانی کی راہ پائیں۔ دعوتِ حق کے جواب میں روسائے قبائل یا تو روکھا سوکھا جواب دیتے رہتے۔ یا بڑی مہربانی کی تو ٹال دیا۔ چنانچہ آں حضرت بنی شیبہ کے پاس جو یمامہ میں آباد تھے گئے۔ تو وہ اس نرم گفتار آقا سے گرم گرم بولے۔ قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس حضرت ابو بکر صدیق کو لے کر پہنچے۔ تو وہ لوگ بڑی مروت سے پیش آئے۔ ان میں سے ایک شخص مفروق نامی نے آں حضرت سے پوچھا کہ تم کیا تلقین کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ خدا ایک ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں۔ اور یہ آیتیں پڑھیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ
رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا
بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا
وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا
تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا
وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

کہہ دو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ خدا
نے کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ یہ کہ خدا کے
ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کا
حق خدمت بجا لاؤ۔ اور اپنے بچوں کو
افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو۔ ہم تم
کو اور اُن کو روزی دیں گے
فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ۔ وہ ظاہر
ہوں یا پوشیدہ۔ اور آدمی کی جان جس کو

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ (الانعام)

خدا نے حرام کیا ہے۔ ہلاک نہ کرو مگر جائز طور پر۔ ان باتوں کا، تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

انہوں نے یہ سُن کر مرحبا کہی مگر آبائی دین چھوڑنے سے معذرت چاہی۔

پھر حضورؐ قبیلۂ عامرہ کے پاس گئے۔ نواں میں سے ایک دنیا دار لیڈر فراس نامی بولا کہ اے کاش! یہ شخص مجھ کو ہاتھ آجائے تو میں تمام عرب کو مسخر کر لوں۔ پھر آپ سے پوچھا۔ کہ اگر مخالفوں پر غالب آ گئے تو حکومت ہم کو دوگے؟ ہر طرح کے فریب سے پاک پیمبر نے فرمایا۔ یہ خُدا کے ہاتھ میں ہے۔ فراس بولا۔ مریں ہم اور حکومت غیروں کو ملے! یہ سودا مہنگا ہے۔

انہی گھنگھور مایوسیوں میں اُمید کی پہلی کرن پھوٹی۔ آں حضرت صلعم ایام حج میں اسی طرح تبلیغ دین میں پھرتے پھراتے مکہ کے قریب مقام عقبہ کے پاس پہنچے تو آپ کو چند سعید روحیں نظر پڑیں۔ آپ نے ان کا حسب نسب نام مقام پوچھا۔ معلوم ہوا کہ یہ خاک پاک مدینہ کے رہنے والے بنی خزرج کے قبیلہ کے لوگ ہیں۔ حضور نے اُن کو دعوتِ دین دی۔ اور کلام پاک سُنایا۔ نیک دلوں میں کلام الٰہی اور رباں پیغمبر نے کیا اثر کیا۔ گویا گلزاروں میں بہار آگئی۔ پیارے نبی نے جو کہا۔ لوگوں نے گوش ہوش سے سُنا اور قلب صمیم سے قبول کیا۔ یہ فرشتہ سیرت انساں

صورت کون لوگ تھے؟ عقبہ بن عامر۔ اسعد بن زرارہ۔ عوف بن حارث
رافع بن مالک بن عجلان۔ قطبہ بن عامر۔ جابر بن عبداللہ۔
عقیدت نے کہا: "دیکھو یہ تہی دست آئے تھے۔ دامنوں میں
دولتِ دیں بھر کر چلے ہیں"۔ رافع بن مالکؓ کا ستارہ سب سے زیادہ چمکا
اس وقت تک جس قدر قرآن اُتر چکا تھا حضورؐ نے انہیں عطا کیا۔ یہ عزم
تبلیغِ اسلام کا وعدہ کر کے یہ چھوٹا سا پاک قافلہ شاداں و فرحاں مدینہ پہنچا
اور یثرب کی گلی کوچوں میں دیں کی دولت چپکے چپکے تقسیم ہونے لگی۔
ادھر مکہ میں قریش کے کفر کی آندھیاں اور تیز ہو گئیں۔ گرد و پیش بدستور
تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ تاہم آں حضرت کی نظر مدینہ کی طرف لگی رہی کہ شاید
یہیں سے روشنی کی باطل پاش کرن نکلے۔ ایک سال یونہی بیم و رجا
میں گذر گیا لیکن یثرب سے کوئی خوشخبری نہ آئی۔ اب پھر حج کا موقعہ
آیا۔ تو آپ بقصد شوق اس نووارد قافلے میں جا کر ان چھ نورانیاں پانے
والوں کو ڈھونڈنے لگے۔ ادھر مدینہ سے بارہ اشخاص کا مختصر قافلہ
حضورؐ کی زیارت کے لیے مکہ پہنچ چکا تھا۔ اور تلاش میں سرگرداں تھا۔
خدا کی مہربانی سے یہ چاند اور ستارے عقبہ کے مقام پر اتفاقاً جمع ہو گئے
اور وہیں اس ماہتاب کے گرد حلقہ سا کر بیٹھ گئے۔ ان میں پانچ تو پہلے
سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور سات نومسلم۔ سب نے آں حضرت کے
ہاتھ پر بیعت کی اور اقرار کیا کہ (۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے
اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے (۲) چوری اور زنا کے پاس نہ پھٹکیں گے

(۳) اپنی لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے (۴) کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گے (۵) چغلخوری سے باز رہیں گے (۶) ہر اچھی بات میں نبی کی اطاعت کریں گے۔ یہ بیعت بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بعثتِ نبوی کا بارھواں سال ہے۔ ان مسلمانوں کی درخواست پر حضورؐ نے مصعب بن عمیر کو مبلغ بنا کر مدینہ بھیجا۔ تاکہ اسلام کے احکام کو یثرب میں عام کریں مصعب بن عمیر علم کے دریا حلم میں یکتا تھے۔ اس نرم مزاج اور شیریں مقال کی باتیں دلوں میں چپکے چپکے گھر کرنے لگیں۔ اور دیکھتے دیکھتے مدینہ میں گھر گھر چرچا ہوگیا۔ جو لوگ تیغ و سناں سے مفتوح نہ ہو سکتے تھے۔ ان کے دل میٹھی باتوں سے مسحر ہو گئے۔ اسعد بن زرارہ کا مکان تبلیغ کا مرکز تھا۔ لوگ یہاں مخالفت کے لیے آتے۔ مگر موافق بن کر جاتے تھے۔ مدینہ کی ایمان پرور اور کفر سوز سرزمین ایک سال میں اسلام کا گہوارہ بن گئی۔ اگلے سال دینِ پاک کا یہ کامیاب مبلغ تہتر مرد اور دو عورتوں کا قافلہ لے کر حج کے موقع پر مکہ پہنچا۔ تاکہ حضورؐ کو اسلام کی ترقی کی خوشخبری بھی سنائے۔ اور آپ کے دیدار سے نورِ ایمان کو تازہ بھی کرے۔ یہ پچھتر مرد و زن اپنے ماتی بُت پرست ساتھی قافلہ والوں سے الگ ہو کر مقامِ عقبہ پر آئے۔ آں حضرت کو ان کے آنے کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی چنانچہ حضورؐ قریش سے چھپ چھپا کر حضرت عباسؓ کے ہمراہ عقبہ (منیٰ) پہنچے۔ ان سب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضورؐ اپنے قدومِ میمنت لزوم سے سرزمینِ مدینہ کو فخر بخش کر ہمیں سرفراز فرمائیں۔ سرکارِ دوعالم نے

منظور فرمالیا حضرت عباسؓ جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے مگر دل سے ہمدرد تھے۔ اس موقع پر کھڑے ہوئے اور تقریر کی کہ لوگو! محمدؐ اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے لیے سینہ سپر رہے۔ اب وہ تمہارے پاس جا رہے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی جواب دے دو۔

براءؓ نے یہ تقریر سن کر کہا۔ اے عباس ہم نے تیری بات سنی۔ تو ہماری بھی یاد رکھ کہ ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ ابوالہیثمؓ نے بات کاٹ کر کہا کہ یارسول اللہ ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اقتدار حاصل ہو تو اب ہمیں چھوڑ کر وطن چلے آئیں۔ یہود کے ساتھ جو اس وقت تک ہمارے تعلقات ہیں وہ بھی اس بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا۔ نہیں تمہارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے ہو اور میں تمہارا۔ حضورؐ کے ارشادات عالیہ سن کر سب نے بیعت شروع کی۔ عباس بن عبادہ انصاری نے پکار کر کہا۔ صاحبو خبردار رہو کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب و عجم جن و انس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ سب نے آواز بلند کہا کہ ہاں ہم خطرات کو سمجھ کر بیعت کر رہے ہیں۔

مکہ کے شریف اور مدینہ کے ان نجیب لوگوں میں جو پیمان وفا بندھا وہ پیمانۂ عمر لبریز ہونے تک نہ ٹوٹا۔ ایک وقت وہ تھا جب زمین پر سروں کی بارش ہوئی تھی۔ اعضا کٹ کٹ کر فرش خاک پر گرتے تھے۔ اور خون کے چھینٹے اڑتے تھے۔ پھر وہ وقت آیا جب فتح کے دروازے کھل

گئے اور اقبال نے آکر اسلام کا قدم چوما مصیبت اور اقتدار دونوں حال میں یہ عہد استوار رہا۔ آں حضرت نے ان مبایعین میں سے حسب ذیل بارہ سردار مقرر فرمائے تاکہ مسلمانوں میں نیکی کا چرچا رکھیں۔ اور لوگوں کو برائی سے روکیں۔

۱۔ اسید بن حضیر رض — جنگِ بعاث میں ان ہی کے باپ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔

۲۔ ابوالہیثم بن تیہان رض

۳۔ سعد بن خیثمہ رض — جنگِ بدر میں شہید ہوئے۔

۴۔ اسعد بن زرارہ رض — ان کا ذکر آچکا ہے۔ یہ امام نماز تھے۔

۵۔ سعد بن الربیع رض — جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔

۶۔ عبداللہ بن رواحہ رض — مشہور شاعر ہیں۔ جنگِ موتہ میں شہید ہوئے۔

۷۔ سعد بن عبادہ رض — معزز اور مشہور صحابی ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انہی نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔

۸۔ منذر بن عمرو رض — بئر معونہ میں شہید ہوئے۔

۹۔ براء بن معرور رض — بیعتِ عقبہ میں انہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی۔ آں حضرت صلعم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔

۱۰۔ عبداللہ بن عمرو رض — جنگِ احد میں شہید ہوئے۔
۱۱۔ عبادہ بن الصامت رض — مشہور صحابی ہیں۔ ان سے کئی حدیثیں مروی ہیں۔
۱۲۔ رافع بن مالک رض — جنگِ احد میں شہید ہوئے۔

حضور نے اہلِ مکہ کی ایذا رسانی کے اندیشہ سے مسلمانوں کو نقل مکانی کا حکم دے دیا۔ مومنین نے گھربار کی پروا نہ کی۔ صرف دولتِ ایمان کو لے کر مدینہ پہنچے۔ مدینہ کے انصار نے باوجود تنگدستی کے مہاجرین کی آؤ بھگت میں وہ کشادہ دلی دکھائی جس کی مثال دنیا میں موجود نہیں۔ سو یا یہ جھونپڑے انصار کے حسنِ اخلاق کی وجہ سے مہاجرین کے لیے شاہی محلات سے زیادہ آرام دہ ثابت ہوئے۔ آہستہ آہستہ سب قافلہ حطرے کے مقام سے نکل کر دارالاماں میں پہنچ گیا۔ ہاں سالارِ قافلہ حضرت ابوبکر رض اور حضرت علی رض کے ساتھ دشمنوں کے نرغے میں ہی رہا کیونکہ احکم الحاکمین کے حکم کا انتظار تھا۔

واقعہ معراج

کارِ خیر میں سعی ناکام جب کہ ہمت کو توڑ دے۔ اور ناکامیوں کا غم دل کی عمارت کو ڈھا دے تو رحمتِ حق بہار دکھاتی ہے۔ اور اچانک قلبِ حزیں میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اس کی سدہ نواریاں انساں کو فرش سے اٹھا کر عرش پر لے جاتی ہیں۔ جہاں قسامِ ازل نے محبت اندازہ

اجام دیتا ہے جیتم فلک نے عبداللہ کے بیٹے بی بی آ' ،
کا سا مالی ظرف کب دیکھا تھا۔ حوبن کوثر بھی جس کے جام سفالیں کا ایک
گھونٹ ہے۔ طائف کے ہمت شکن سانحہ کے چند روز بعد خدا کا رسول دل
گرفتہ ہوکر فرش حرم پر لیٹ گیا۔ رحمت حق نے خاک سے اٹھا کر افلاک
تک پہنچا دیا۔ کیونکہ دنیا و دیں کی سربلندیاں ان خاکساروں کے لیے ہیں
فخر و غرور جس کی فطرت سعید کو چھو نہ گیا ہو۔ اللہ کی راہ میں جاں کو جوکھوں میں
ڈالنے والا رسول جیتم زدن میں عرش پر پہنچا۔ ہفت افلاک کے سفر کی
داستان طویل اور تشریح طلب ہے۔ لیکن جب تک راہ حق میں سعی و
عمل کی ناکامیاں شیشۂ دل کو چور چور نہ کر دیں۔ اس رفعت کا تصور بھی نہیں
کیا جا سکتا جس کا نام معراج ہے۔

۱۰۔ عبداللہ بن عمرو رض — جنگِ احد میں شہید ہوئے۔

۱۱۔ عبادہ بن الصامت رض — مشہور صحابی ہیں۔ ان سے کئی حدیثیں مروی ہیں۔

۱۲۔ رافع بن مالک رض — جنگِ احد میں شہید ہوئے۔

حضورؐ نے اہلِ مکہ کی ایذا رسانی کے اندیشہ سے مسلمانوں کو نقلِ مکانی کا حکم دے دیا مومنین نے گھر بار کی پرواہ کی۔ صرف دولتِ ایمان کو لے کر مدینہ پہنچے۔ مدینہ کے انصار نے باوجود تنگدستی کے مہاجرین کی آؤبھگت میں وہ کشادہ دلی دکھائی جس کی مثال دنیا میں موجود نہیں۔ گویا یہ جھونپڑے انصار کے حسنِ اخلاق کی وجہ سے مہاجرین کے لیے شاہی محلات سے زیادہ آرام دہ ثابت ہوئے۔ آہستہ آہستہ سب قافلہ خطرے کے مقام سے نکل کر دارالامان میں پہنچ گیا۔ ہاں سالارِ قافلہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ دشمنوں کے نرغے میں ہی رہا کیونکہ احکم الحاکمین کے حکم کا انتظار تھا۔

واقعہ معراج

کارِ خیر میں بھی ناکام جب کمرِ ہمت کو توڑ دے۔ اور ناکامیوں کا غم دل کی عمارت کو ڈھا دے تو رحمتِ حق بہار دکھاتی ہے اور ایکا یک قلبِ حزیں میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اس کی بندہ نوازیاں انساں کو فرش سے اٹھا کر عرش پر لے جاتی ہیں۔ جہاں قاسمِ ازل نے محبت امارۂ

جام دیتا ہے۔ جیتیم فلک نے عبداللہ کے بیٹے بی بی آمنہ کے جائے کا سا عالی ظرف کب دیکھا تھا۔ حوضِ کوثر بھی جس کے جامِ سفالیں کا ایک گوشہ ہے۔ طائف کے ہمت شکن سانحہ کے چند روز بعد خدا کا رسول دل گرفتہ ہو کر فرشِ حرم پر لیٹ گیا۔ رحمتِ حق نے خاک سے اُٹھا کر افلاک تک پہنچا دیا۔ کیونکہ دنیا و دیں کی سربلندیاں ان خاکساروں کے لیے ہیں فخر و غرور جن کی فطرتِ سعید کو چھو نہ گیا ہو۔ اللہ کی راہ میں جان کو جوکھوں میں ڈالنے والا رسول یتیم دنوں میں عرش پر پہنچا۔ ہفت افلاک کے سفر کی داستان طویل اور تشریح طلب ہے۔ لیکن جب تک راہِ حق میں سعی و عمل کی ناکامیاں شیشۂ دل کو چور چور نہ کر دیں۔ اس رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس کا نام معراج ہے۔

مدینہ

مدینہ اس زمانے میں شیطان کی دسترس سے دور نیک انسانوں
کی ایک محفوظ بستی تھی۔ یہاں کے اکثر باشندے وہ پیکرانِ صدق و صفا
تھے جو دنیوی آلائشوں سے بالکل پاک تھے۔ اور شہرت پسندی جس کو
چھو تک نہ گئی تھی۔ ذلیل فطرت کے پست احساسات کو کہاں۔ جاہلی
کی معصوم سے معصوم امنگ بھی اُن میں نہ تھی۔ اُن کی آنکھیں حیا کی حامل
اور زبان خُلق کی پروردگار تھی۔ اُن کے ایثارِ نفس کو کوئی اسلوبِ تحریر
اور اندازِ بیان پورا پورا ظاہر نہیں کر سکتا۔ انسانوں کا تو ذکر کیا۔ وہاں کی
خاک کے ذرّے مہمانوں اور مسافروں کو دیکھ کر مسکرانے لگتے تھے وہاں
کی ہوا بھی پاسِ عصمت کا اہتمام کرتی پھرتی تھی۔ ہجرت سے قبل آں حضرت
کو خواب میں دار الہجرت کا نظارہ کرایا گیا تھا۔ گویا اک باغ پُر بہار نگاہوں
کے سامنے پیدا اور ہویدا ہے۔ یہ اشارہ مدینہ کے دینی گلزار اور اس کی
روحانی بہار کی طرف تھا۔ دنیا میں اس وقت یہی ایک بستی تھی جو کچھ نیکی
کی فضا میں سانس لیتی تھی۔ سعید روحیں اب تک بھی فراغتِ حج کے بعد
اسی کی پاکیزہ ہواؤں سے فیض یاب ہونے کے لیے جاتی ہیں۔ جہاں
برکتیں اب بھی شبنم کی طرح برستی ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے مدینہ کے
لوگوں کے اندر ماخذِ خیر کی قوتیں کلی کی طرح بند تھیں۔ دینِ مبین کی قبولیت

کے بعد گویا وہاں فصلِ گل آگئی۔ نیکیاں جو یہاں مدینہ سے اٹھ کر گلشنِ جنت کی طرح عالم میں پھیل گئیں۔ جب یہ جہانِ خوبی یعنی مدینہ آں حضرت کو خواب میں نخل و ریگ کی تمثیل میں دکھایا گیا۔ تو حضور مثل کو پہلے سمجھ کر مدت تک یمامہ کے شہر کو مقامِ ہجرت تصور کرتے رہے۔ مگر یہ سعادت اور شرف سحرِ مدینہ کے کسی کو کب حاصل ہو سکتا تھا۔ اسی گلکدہ میں اُس گلِ عربی سرورِ باغِ محبوبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آسودۂ خاک ہونا تھا۔ اِس لیے مشیت نے ازل سے ہی یہ شرف مدینہ کے لیے مخصوص رکھا تھا ہر چند یمامہ برگ و بار فصل و اشجار کے لحاظ سے شاداب تھا مگر مدینہ کی روحانی رعنائی اور اخلاقی زیبائی کے مقابلے میں دنیا کے گل و گلنار کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

قریش نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ انہیں سخت اذیتیں دیں۔ مگر مسلمانوں کے لیے پیغمبر کے حکم سے سرتابی خلد کی پاکیزہ ہواؤں سے دوری کے مترادف تھی بعض کے بیوی بچے چھین لیے گئے بعض کے مال و املاک ضبط ہوئے مگر ایمان کی دولت اور حق کی آواز ضبط نہ ہو سکی۔ مسلمان حواس دار و گیر اور ضبطی و قرقی سے بے پروا تھے مدینہ پہنچے۔ اب آں حضرتؐ تھے یا حضرت ابوبکرؓ اور علیؓ۔ حضور خدا کے حکم کے منتظر اور یہ دونوں ہی کے حکم کے پابند بیٹھے تھے۔ قریش کے لیے مذہب کی خدمت کے ساتھ عزیزوں کی مستقل مفارقت ایسے ناسور تھے جن کی سوزش اُن کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ پھر

بھی اندیشہ تھا کہ مبادا اقبال اسلام کی یاوری کرے تو اُن کے لیے دنیا تنگ ہو جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایک فیصلہ کن مجلسِ مشاورت طلب کی تاکہ اس سرچشمۂ خیر و برکت کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے۔ لیکن حربِ فجار کا تلخ تجربہ خونریزی کے ہر فیصلے پر اُن کو لرزاں کر دیتا تھا۔ قبائل کی باہمی جنگ کے خوف کو وہ دل سے دور نہ کر سکتے تھے۔ ندوہ میں قریش کے جملہ سردار بھی نرم گرم دونوں فریق جمع تھے۔ نرم مزاج مخالفوں نے قید اور جلاوطنی کا مشورہ دیا گرم طبیعت دشمن سر دھڑ کی بازی سے کم کسی چیز کو پسند نہ کرتے تھے۔ سب نے بہت سر مارا مگر خدا پرستی کے جرم کی کوئی موزوں سزا ذہن میں نہ آئی۔ بالآخر بڑی دماغ سوزی کے بعد دشمنِ دین ابوجہل کے کان میں شیطان نے یہ تجویز پھونکی کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے سب یک بار محمد صلعم پر ٹوٹ پڑو اور تکا بوٹی کر دو اس کے اقربا جب سب سرداروں کی تلواروں کو خون سے رنگین دیکھیں گے تو دم نہ ماریں گے۔ اس تجویز پر جہنم کے سب چھوٹے بڑے شیطانوں نے واہ واکی فیصلہ ہوا کہ سرِ شام ہی کفر کی تاریکی ایمان کی تنویر کو گھیر لے۔ ہاں عربی شرافت کے پیشِ نظر صرف یہ احتیاط کی جائے کہ حملہ آور زنانہ میں داخل نہ ہوں۔ بلکہ آستانۂ مبارک کے باہر گھات میں لگے رہیں۔ جوں ہی حضور صبح گھر سے نکلیں سب تلواریں سونت کر جا پڑیں۔

اِس چنڈال چوکڑی کے ناپاک منصوبوں سے پہلے پروردگارِ عالم کی طرف سے سرورِ کائنات کو ہجرت کا حکم مل چکا تھا چنانچہ ہجرت کے دو روز پہلے

یہ حکم پاکر نبیوں کا سردار لوگوں کی نگاہوں سے ڈرتا بچتا دوپہر کے موزوں وقت صدیق اکبرؓ کے گھر پہنچا۔ اسلام کے دستور کے مطابق دروازہ پر دستک دے کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضرت ابوبکرؓ نے دروازہ کھولا اور آں حضرت صدیقؓ کے گھر میں پیچھے سے داخل ہو گئے۔ اور مشورہ کے لیے تخلیہ چاہا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ ہی گھر میں موجود تھیں جن کی شادی ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اس گھر میں آپ کی اہلیہ کے سوا کوئی نہیں حضور نے بیٹھتے ہی نوید ہجرت سنائی۔ معلوم ہوتا ہے۔ صدیق اکبرؓ ایک مدت سے ہجرت میں آں حضرت کی ہمراہی کے شرف کی آرزو کو دل میں پرورش کر رہے تھے اُن کی مضطربانہ دعائیں اسی دن کی سعادت کے لیے وقف تھیں جو ہی ہجرت کا حکم سنایا تابانہ پوچھا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا کیا ہمراہی کا شرف مجھ کو بھی بخشا جائے گا۔ آں حضرت نے فرمایا۔ ہاں حضرت ابوبکرؓ کا خیال آرزو بار آور ہوا۔ اور دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ پیغمبرؐ کی ہمراہی مومنین کا معراج ہے۔ اس لیے اس شرف سعادت پر امیر المومنین فرطِ انبساط سے رو دیے۔ اس دورِ ابتلا میں حضور کی ہمراہی کچھ سیر تماشا نہ تھا بلکہ بڑی جاں بازی کا کام تھا۔ ہاں محو و ماں عشق محمد صلعم کے لیے راہ کے کانٹے پھول اور سدا بِن امتحان تفریح گاہ ہو سکتے تھے۔ اس لیے مزل کے خطرات سے بے پرواہ محب کی آنکھوں کے سامنے محبوب کی ہمراہی کے لیے ماہ ماں تھے اپنے ستارہ اقبال کے یوں چمک اُٹھنے پر بحر آنسوؤں کے شکر اور امتنان کے اظہار کا اور کیا ذریعہ ہو سکتا تھا۔ جو مصنف ایسے

پیغمبر کی ہمراہی میں آئے۔ شمع رسالت کے پروانوں کے لیے کتنی اطمینان بخش ہوگی۔ اس کی کیفیت کسی سے نہ پوچھو۔ بلکہ خود ہی اندازہ کرلو۔

حضرت ابوبکرؓ نے نہایت سحر سے عرض کی کہ اس مبارک دن کے لیے میں نے ببول کی پتیاں کھلا کر بس لے دو اونٹنیاں پال رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک کو پسند فرما کر میری عزت افزائی فرمائیں۔ آں حضرت نے ایک کی قیمت ادا کر دی حضرت ابوبکرؓ نے پاس ادب سے قیمت قبول کر لی آں حضرت انتظام سفر کر کے واپس چلے آئے ہر چند دارالندوہ کی شیطانی محفل اور وہاں کی ناپاک سازش کا حال صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا۔ مگر حضور پر اشارۂ ربانی سے سب کچھ منکشف ہوگیا۔ اور آں حضرت نے راتوں رات مکہ سے نکل جانے کا حکم پایا حضرت علیؓ کو طلب کر کے فرمایا۔ علیؓ ہمیں ہجرت کا حکم آگیا ہے تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جانا اور صبح کو سب کی امانتیں واپس کر آنا سید لولاکؐ کی سیرت پاک کو دیکھو جانی دشمن بھی یہاں تک آپ کی امانت اور دیانت کے قائل تھے۔ کہ مکہ بھر کی امانتیں اسی امین کے سپرد تھیں۔ آج کی رات آں حضرتؐ کے بستر پر سونا موت کے منہ میں جانا تھا مگر علیؓ موت سے کب ڈرتے تھے۔ باوجود اس خطرے کے علم کے جناب امیرؓ حضورؐ کے پلنگ پر بے کھٹکے سو گئے۔ ادھر دشمن پہلے سے ہی دشمن گھات میں آ بیٹھے تھے۔ آں حضرت آدھی رات کو اللہ کا نام لے کر باہر نکلے حضورؐ کی موت کے متوالے جو موت کی چھوٹی بہن کی آغوش میں پڑے اونگھ رہے تھے۔ آں حضرتؐ سورۂ یٰسین تلاوت فرماتے

بعیر راحت کے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر جا پہنچے۔ جناب امیرؓ آں حضرتؐ کے پلنگ پر اس طرح پڑے تھے گویا کوئی عالی قدر شہزادہ محفوظ محل میں نرم بستر پر آسودۂ خواب ہو۔ اور کسی بہترین خواب کے پُر بہار نظارہ نے اس کے دماغ کو رشکِ صد گلزار بنا رکھا ہو۔ ساری رات دین کے دشمن کمین گاہ سے نکل نکل اور در سے جھانک جھانک کر آں حضرتؐ کے پلنگ کو دیکھتے رہے۔ جنابِ امیرؓ کو آں حضرتؐ کی جگہ پر پاکر اطمینان کر لیتے تھے۔ آخر معیبرِ پاک کے بستر پر جوانی کی نیند لیتے حضرت علیؓ کو صبح ہو گئی تو ظالموں نے آ پکڑا۔ آں حضرتؐ کی بجائے امیرؓ کو پاکر بہت پیچ و تاب کھانے لگے۔ حرم میں لے جا کر حضرت علیؓ کو محبوس کر رکھا کسی نے کہا کہ تم اس شغل کو چھوڑ کر اصل شکار کو دیکھو۔ دوڑ دھوپ کرو۔ ابھی بہت دور نہ گیا ہوگا۔

ہجرت

دیکھو تعاقب کے خوف سے آں حضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ راتوں رات مکہ چھوڑ کر جا رہے ہیں اہلِ وطن کے ہاتھوں بے وطن ہو جانے کے حسرت آمیز منظر کو تصور میں لاؤ اور دیس چھوڑ پردیس جانے والوں کی کیفیت قلب کا اندازہ کرو۔ پیارے نبی کو وطنِ عزیز خلدِ بریں کے پُر بہار گلزار کی طرح نظر آتا تھا۔ جس خاکِ پاک کے آغوش میں پل کر جوان ہوئے وہ عالمِ افلاک سے بہتر دنیا اب چھٹی جا رہی ہے۔ اس بچھڑنے والے دیار کے

کوچہ و بازار کا تصور آ رہا ہے سینہ میں ایک آگ سی لگی جاتی ہے محبوب
ملک کی پاکیزہ ہوائیں۔ کوہ و صحرا کی فضائیں آنکھوں میں پھرتی ہیں۔ صبر و
رضا کے اس مجسمہ نے ہجرت کے وقت حسرت بھری نگاہوں سے مکہ
کی طرف دیکھا۔ دل میں ایک ہوک سی اٹھی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ کہ مکہ تو مجھ کو تمام دنیا سے عزیز ہے۔ لیکن
تیرے فرزند مجھے رہنے نہیں دیتے۔

کم گو پیمبر کے مختصر الفاظ وطن کی غیر محدود محبت کے حامل ہیں
یہ چھوٹا سا فقرہ سینے کی ہزار حسرتوں کا مظہر ہے۔ وطن سے چھٹ کر حسرت
سے آنسو بہانا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ تربیت دل میں لطیف جذبات
کی شہادت ہے۔ حضور کے حسرت بھرے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ
آپ کے پیش نظر کتنا عظیم الشان مقصد تھا۔ ورنہ کون یونہی اپنے ملک
و دیار کے باغ و بہار چھوڑ کر غریب الوطنی کی خلش خار سے تلووں کو فگار کرنے
نکلتا ہے۔ ہاں جو ہمت کر کے آمادہ ہجرت ہوتا ہے وہ مقاصد و مطالب
کو پہنچ جاتا ہے۔ ہم نے شاید ہی کسی ایسے شخص کا ذکر سنا ہوگا جو مصیبتوں
سے نجات پانے کے لیے وطن سے نکلا ہو اور اسے چھٹکارا نہ حاصل ہوا
ہو۔ آں حضرت کا اس کس مپرسی کے عالم میں دیس سے پردیس جانا۔
پھر عزت و اقتدار سے چند برس کے بعد واپس آنا اس امر کے شاہد عادل
ہیں کہ حرکت میں برکت ہے اور ہجرت سے سرداری ملتی ہے۔

غرض یہ آفتاب و ماہتاب گھروں سے نکل کر بہ احتیاط جبل ثور

کے غار میں جا چھپے۔ تاکہ لوگ جب تلاش سے تھک کر واپس چلے جائیں تو منزل مقصود کو چل دیں۔ یہ غار مکہ سے تین میل داہنی جانب واقع ہے۔ صدیق اکبرؓ کے بیٹے عبداللہ دن بھر لوگوں کی نقل و حرکت کی دیکھ بھال کر کے رات کو آکر حضور کو اطلاع دیتے تھے حضرت ابوبکرؓ کی بڑی بیٹی اسما گھر سے کھانا لایا کرتی تھیں اور یار غار کا غلام شام کے بعد بکریاں چراتے چراتے وہاں آ نکلتا۔ دونوں کو دودھ پلاتا اور بکریوں کے نقش پا سے حضرت اسماءؓ کے قدموں کے نشان بھی مٹاتا چلا آتا۔ ادھر اہل مکہ کی سنو وہ آں حضرت کے نقش پا کے سراغ پر پہلے حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچے۔ ابوجہل نے حضرت اسماء سے دریافت کیا کہ لڑکی ترا باپ کہاں ہے حضرت اسما نے لاعلمی ظاہر کی۔ ابوجہل نے اُن کے مُنہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ کان کی بالی زمین پر گر گئی۔ یہاں سے سُراغ لگاتے لگاتے لوگ غار کے قریب پہنچ گئے۔ اُن کے پاؤں کی آہٹ پاکر یار غار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ گھبرا کر کہا حضور دشمن سر پر آ پہنچا۔ صدیق اکبرؓ سرتاپا اضطراب تھے۔ اور محمد صادق ہمہ تن اطمینان جب ابوبکر کا اضطراب زیادہ بڑھا ہوا پایا تو محبوب نے محبت سے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا — غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس خوف کے وقت پر یہ اطمینان محض نبیوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ بہادری اور چیز ہے۔ صبر و رضا کی راہ دوسری۔ مضطرب معاملہ بہادری ہے خطرے میں اطمینان قلب کسی اور کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔

رسولِ خدا اور صدیق ؓ کو اللہ پر بھروسہ تھا۔ وہ دونوں اسی بھروسے کے سہارے خاموش بیٹھے رہے۔ بچانے والے کے ڈھنگ نیارے ہیں۔ دشمن ادھر اُدھر دیکھ بھال کر چلے گئے۔ غار کی تنگی اور تاریکی کی وجہ سے یا دگر یوں کا کسی کو گماں بھی نہ گذرا۔ جو تھے رور نور وحدت سے جھلملانے والے ستارے غار کی تاریکیوں سے نکلے۔ بی بی اسما کھانا لے کر پہنچ گئیں حضرت ابوبکر کا غلام اونٹنیاں لے کر آ حاضر ہوا۔ دونوں مبارک سوار تیز رفتار اونٹنیوں پر چڑھ بیٹھے۔ اچانک بی بی اسما کو خیال آیا کہ توشہ دان کے منہ باندھنے کا تسمہ تو گھر میں ہی بھول آئی ہوں جھٹ کمر بند کو پھاڑ کر توشہ دان کجاوے سے باندھا۔ آں حضرت بی بی اسما کی اس بات سے بہت خوش ہوئے اور انھیں ذات النطاقین (دو کمر بندوں والی) کا لقب دیا۔

دل سے آواز اٹھی اے دو کمر بند والی بی بی تیرا یہ خطاب دو جہاں کا شرف ہے۔ دنیا کی دولت کے سارے خزانے اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے ناکافی۔ پھر دل سے ہی اس کا جواب نکلا کہ صحابہ کے شرف کو رشک کی نظر سے دیکھنے والے صرف نبوت کا دروازہ ہی بند ہوا ہے لیکن امت کے لیے شرف و عزت کے بہت سے ابواب کھل گئے ہیں۔ نیکی کا رشک بھی بے شک ایک نیکی ہے مگر خیال کی دنیا سے نکل کر عمل کی جنت میں داخل ہو۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے رشک میں بیٹھے رہنے کے بجائے دنیا کی جد و جہد میں مصروف ہو کر رسول کے دین کو روشن کر۔ زندگی بھر خدا کا نام بلند کرنے کی سعی جاری رکھ۔

کیا عجب کہ موت کے بعد خدا اور رسولؐ کی طرف سے تو کسی بڑے سے بڑے قابلِ فخر خطاب اور القاب سے نوازا جائے۔

دیکھو مدینہ کی طرف دو سانڈنی سوار جا رہے ہیں۔ اُن کی صورتیں شمع کی طرح جگمگا رہی ہیں۔ آفتاب کی تمازت سے کوئی کہہ دے کہ اتنی تیزی نہ دکھائے۔ کیونکہ سردارِ انبیاء اور امیر المومنینؓ جا رہے ہیں۔ غبارِ راہ کو کہو اُڑ کر ضائع نہ ہو جائے۔ آنے والی نسلوں میں کروڑوں مسلمانوں کی آنکھیں اسے سرمہ بنانے کے لیے ڈھونڈیں گی۔ مگر آفتاب اور غبار نے نہ صرف ان خواہشوں کی تکمیل سے انکار کیا بلکہ بیش از بیش شدت اختیار کی آخر دونوں سوار گرد و غبار اور تمازتِ آفتاب سے مجبور ہو کر ایک چٹان کے سایہ کو دیکھ کر رک گئے۔ یارِ غار نے سواری سے اُتر کر زمین صاف کی اور چادر بچھائی۔ آں حضرت ذرا سستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ صدیقِ اکبرؓ نے تلاش کر کے ایک چرواہے سے تازہ دودھ دوہ کر لائے۔ تھوڑا سا ٹھنڈا پانی ملا کر حضورؐ کی مدد کیا۔ آں حضرت نے اس سایہ میں قدرے آرام پایا۔

دل نے خطِ مراتب سے بے پروا عناصر پر ہزار افسوس کیا مگر اُن سے ایک جواب پایا۔ کہ اے شرفِ انسانی کی حقیقت سے ناواقف شخص کیا کہتا ہے۔ دنیا و آخرت میں صرف وہی سر بلند ہے۔ جو عناصر کی ستم آرائیوں کا بہادرانہ مقابلہ کرتا ہے۔ آرام طلب اور راحت جو لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بنجر ہے نہ یہاں کاشت نہ وہاں برداشت۔

جب آں حضرت کی تلاش میں ناکامی ہوئی تو قریش نے ذات
گرامی کی گرفتاری کے لیے ایک انعامی اشتہار جاری کیا کہ جو حضور کو پکڑ
لائے گا وہ ایک سو اونٹ انعام پائے گا۔ بہت سے بیکار اس اشتہار کو
دیکھ کر قسمت آزمائی کے لیے نکلے۔ ان میں سراقہ بن جعشم بھی تھا۔ یہ غار
سے عین روانگی کے وقت پہنچا۔ اور بے تابانہ پیچھے لپکا۔ خدا کی حکمت کہ
وہ جونہی قریب آیا گھوڑے نے سکندری کھائی۔ سوار خود فرش راہ ہوگیا
تاہم سنبھلا اور ترکش سے فال کے تیر نکالے قسمت سے نفی کا جواب
پایا انعام کی امید پر تقدیر سے لڑ جانے والا عرب مایوس نہ ہوا پھر باگیں
اٹھائیں۔ اب کا گھوڑا دلدل میں دھنس گیا دل میں ڈرا کہیں تو خدا کی
قید میں پھنس گیا۔ پھر فال دیکھی مگر جواب خلاف امید پایا سمجھا کہ یہ تو کچھ
اور آثار ہیں۔ چنانچہ نہایت عاجزی سے سرکار دوعالم کو آواز دی۔ اور
امان کی تحریر مانگی۔ حضور نے درخواست قبول فرمائی۔ حضرت ابوبکر کے
خادم عامر ابنِ فہیرہ نے جو ہمراہ تھا چمڑے کے ٹکڑے پر امن کا فرمان
لکھ دیا۔ ساتھ ہی حضور نے فرمایا کہ اے سراقہ میں تو تیرے ہاتھ میں کسریٰ
کے کنگن دیکھتا ہوں۔ اس وقت تو سراقہ نے شاید اس بات کو خوش خیالی
یا حوصلہ افزائی سمجھا ہو مگر اس کی زندگی ہی میں حضرت عمرؓ کے عہد میں ایران فتح
ہوگیا غنیمت میں سونے کے دو قیمتی کنگن آئے آقا کی پیشگوئی غلاموں کو یاد
تھی حضرت عمر نے سراقہ کو جو مسلمان ہو چکے تھے بلا کر وہ زیورات پہنائے۔ نبی
کی وہ بات جو کسی کے وہم و گمان میں نہ تھی آخر پوری ہوئی۔

سراقہ امن کی تحریر لے کر واپس ہوئے تو راہ میں جو ملا اُسے یہ کہہ کر واپس کرتا گیا کہ اس راستہ آں حضرت نہیں گذرے۔ چنانچہ مدینہ کے یہ مقدس مسافر قدرے اطمینان سے کہ انتہائی بے سروسامانی سے قطع منازل کرتے رہے۔ راستے میں حضرت زبیرؓ شام سے سامانِ تجارت لے کر آتے ہوئے ملے۔ پاک پیغمبر اور ان کے ساتھی کو اس پریشان حالی میں پایا۔ بیش قیمت کپڑے پیش کیے۔ جو اس عالمِ بے سروسامانی میں خوشی سے قبول کر لیے گئے۔ اس طرح آں حضرت منزل بمنزل آٹھ دن میں سفر طے کر کے دارالامان مدینہ کے قریب پہنچے۔

آمد آمد

حضورؐ کی آمد آمد کے ذکر اذکار سُن کر مدینہ میں خوشی کے گیت گائے جا رہے تھے۔ جوں جوں وہ راحت افزا گھڑی جس سے اہلِ شہر کے دلوں کو رشکِ صد گلزار بنا رکھا تھا قریب آ رہی تھی۔ لوگوں کا والہانہ جوش بڑھتا جاتا تھا۔ جب آفتاب مدینہ کی پہاڑیوں پر سونا بکھیرتا ہوا طلوع ہوتا تو ہزاروں پیر و برنا اور خوش و خرم ہستیاں اپنی امیدوں کے مرکز کو دیکھنے کے لیے نکلتیں جہاں ذرا سا غبار اُٹھا دل امید سے دھڑکنے لگا جمالِ محبوب کا جو نقشہ سُن سُن کر ذہن میں جما لیا تھا اس کی بنا پر ہر راہرو کو دیکھ کر یہ وہ کہتے کہتے تھک جاتے تھے۔ جوں جوں سورج چڑھتا جاتا یہ کھوئے پھرتے تھے پہلے پہل تو دھوپ بھی مسرت خیر

اسد کی وجہ سے سنہری چاندی معلوم ہوتی تھی۔ مگر حضورؐ کی آمد سے مایوس ہو کر دوپہر کو پھول سے چہرے کملا جاتے تھے۔ اور بڑی ہی حسرت سے گھر واپس آجاتے تھے۔ ایک دن انتظار سے اسی طرح تھک کر لوگ گھروں کو واپس جا چکے تھے۔ اچانک ایک یہودی نے مدینہ کے بیرونی قلعہ سے مدینہ کے ان دو مقدس سواروں کو دیکھا اور قرائن سے پہچانا۔ کہ یہ وہی سوار ہیں۔ چنانچہ اس نے پکار کر کہا اے گروہ عرب۔ اے دوپہر کو آرام کرنے والو تمہاری خوش قسمتی کا سامان تو یہ آپہنچا ہے۔ اس کی تیز آواز میں جو آسمان میں گونجی۔ شعر و موسیقی تو نہ تھی مگر ایسی وجد آفرین تاثیر ہوئی کہ لوگ مست ہو کر گھروں سے نکلے مردوں نے جلدی جلدی ہتھیار سجائے عورتوں نے جوڑے بدلے تمام گھروں سے تکبیر کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ چہروں کی بشاشت اور لباس کی رنگا رنگی سے مدینہ دم بھر میں موسمِ بہار کے طاؤس کی طرح جو سایہ پھیلائے نظر آتا تھا۔

آں حضرتؐ نے سرور شنبہ مدینہ کی بالائی بستی قبا میں قیام فرمایا۔ یہاں انصار کے خاندان آباد تھے۔ حضورؐ نے کلثوم بن الہدم کو جو خاندان عمرو بن عوف کا سردار تھا۔ اپنی مہمانی کا شرف بخشا۔ حضورؐ کی مہربانی سے تمام خاندان کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ جس گھر میں رسولِ خدا قدم رنجہ فرمائیں اس خاندان کے لوگ فخر کریں تو کوں کریں۔ وہ لوگ جوشِ مسرت سے تکبیر کے نعرے لگاتے تھے۔ اور اپنی خوش قسمتی پر خود قرباں ہوئے جاتے تھے۔ تمام مہاجرین اور اکابر انصار یہیں آکر زیارت سے مشرف

ہوئے۔ چند دن کے بعد جناب امیر کوفت سفر سے چور مگر شاداں و مسرور قبا میں حضور سے آملے۔

خُدا کا گھر

اِس محسنہ نماز و دعا نے سب سے پہلے خداوند برتر و توانا کی عبادت کے لیے کلثوم کی افتادہ زمین پر مسجد کی بنیاد ڈالی۔ دیکھو سردار دو عالم مزدوروں میں شامل ہیں۔ بھاری پتھروں سے کمر دوہری ہو رہی ہے عقیدتمند لپک کر ہاتھ بٹانے کے لیے آتے ہیں حضور ست کو منع فرماتے ہیں۔ اگر کبھی پتھر کسی کے حوالے کرتے بھی ہیں تو دوسرا اٹھا لیتے ہیں عصر جدید کے مزدوروں کے سرمایہ دار حامیوں کو جا کر کہو کہ حمایت غربا کے زبانی دعووں سے درگذرو۔ آں حضرت کی طرح قول و فعل میں مناسبت پیدا کرکے دکھاؤ۔ ایسے پاک مزدور کے پاؤں کی خاک کو کیوں سرمہ نہ بنائیں جس نے چودہ سو سال پہلے سرمایہ اور محنت کی موجودہ کشمکش کو بھانپ کے دولتمندوں پر زکوٰۃ کا ٹیکس لگایا اور خود امیری پر فقیری کو ترجیح دی باوجود بادشاہی کے سر بسی میں بسر کی۔

سنو! خانۂ خدا کے مبارک معمار کس طرح تھکن مٹانے کے لیے گا رہے ہیں۔ واہ کیا پیارا گیت ہے۔ ہمارا معمار سردار ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملا رہا ہے۔

افلح من یعالج المساجدا   وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے۔

ولیقرء القراٰن قائما وقاعدًا — اور اُٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔
ولا یبیت اللیل عنہ راقدًا — اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔

توت متخیلہ کو کام میں لاکر عقیدت بھری نظروں سے اس سماں کو دیکھو کہ کس طرح ہزار در ہزار اور قطار اندر قطار قدسی عرش سے فرش تک پرے باندھے کھڑے ہیں اور اس معمار تعمیر کی ہر حرکت قدم پر حسبنا اللہ حسبنا اللہ کہتے ہیں۔ آسمان سے برکتیں کس طرح مینہہ کی طرح برس رہی ہیں۔

اے آسمان کے پاک رسُلو ہمارے آقا کو ہمارا اسلام عرض کرو اور پاک نبی کے تمام آداب ملحوظ رکھ کر بتاؤ کہ سچا مسلمان اب بھی دنیا کا ٹھیک مزدور ہے۔ اُسے مانگنے سے عار ہے محنت سے عار نہیں کام چور نہیں کہ مزدوری ملے تو کام میں تساہل کرے۔ جو مزدوری پوری پاکر کام سے جی چراتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔

اے خدا ہماری بھاری پتھر ڈھونے والے نبی کی طرح ہم کو بھی نیکی کی عمارت کھڑی کرنے اور انسانیت کی تعمیر کا موقع بخش۔ دنیا کی بڑی بڑی ذمہ داریاں اُٹھانے کی توفیق دے۔ ہمیں تمام قوموں کی سرداری عطا کر اور ہمیں اس قابل بنا کہ ہم تیری مخلوق کی بہتر سے بہتر خدمت سرانجام دے سکیں۔ اس طرح سے نوع انسان کی خوشیوں میں اضافہ کرسکیں۔

حضور کو قبا میں قیام فرماتے ہوئے چودہ دن ہوچکے ہیں۔ جمعہ کا روز ہے۔ اسلامیوں کے سردار کا آج مدینہ میں داخلہ ہے۔ اس مبارک دن کی صبح کیا سہانی ہے۔ خوش قسمت انصار کے جوش مسرت کو دیکھو

کس طرح ہتھیار سجے لباس مدینے سا داں و فرحاں ادھر اُدھر استقبال کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں۔ بچے خوشی سے پھول کی طرح ہنس رہے ہیں۔ بچیاں کلی کی طرح مسکراتی ہیں۔ حیا سے جھکی ہوئی آنکھوں والی بیبیاں چھتوں پر انتظار میں کھڑی ہیں اُن کے لباس کی زنگارنگی نے ہر چھت کو تختۂ گل بنا رکھا ہے۔ باغبانِ قدرت کے یہ گل بوٹے ایسے مہمان سرور کی تشریف آوری کی خوشی میں نہال ہو رہے ہیں۔ قبا سے مدینہ تک لوگ دو رویہ کھڑے ہیں۔ قیاس کرو مسکرا کر دلوں کو مسخر کرنے والے پیمبر کا جب پہلا قدم اُٹھا ہوگا عقیدت مندوں نے کس طرح ہٹو بچو کیا ہوگا اگر کوئی ہماری زندگیوں کی ساری رنگینیاں اور دلچسپیاں لے کر بھی آخری نبی کی ہمرکابی کا موقع دے دے تو عمر بھر اس کے گرانبار احسان کے بوجھ سے گردن نہ اُٹھے۔ ایسا موقع ہمارے لیے ممکن نہیں اب لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے ہی کی توفیق مل جائے تو بہت بڑی سعادت ہے۔ پیمبر کی پیروی ہی سچی محبت اور صحیح عقیدت ہے۔

غرض سرورِ عالم جوش اور عقیدت کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا میں سے گذرے اور بنی سالم کے محلہ میں پہنچے۔ نمازِ جمعہ اسی جگہ ادا فرمائی اور خطبہ ارشاد کیا۔ خدا کے انعاماتِ بے بہا کا شکریہ ادا کر کے اس جگہ سے روانہ ہوئے۔ جو جو محلہ راہ میں پڑا وہاں کے انصار کی ملتجی آنکھوں اور مست پذیر زبانوں نے مہمانی قبول کرنے کی التجا کی مگر حضور سب کو دعائے خیر و برکت دیتے آگے بڑھے۔

شہر میں داخلے کے خوشگوار منظر کا کونسا پہلو دلچسپ نہیں۔ مگر
اس مرغوب منظر کا وہ حصہ انتہائی مسرت خیز ہے جب کہ گل و برگ سے
نازک بدن سرپاؤں سے رشکِ چمن مگر حیا پرور اور پاک دامن بیبیوں نے
چھتوں سے دف بجاتے سروں میں خیر مقدم کا ترانہ گاکر جنت الفردوس کو ملانا
شروع کیا۔ حیا اور عقیدت سے آواز میں وہ اثر پیدا کر دیا کہ جلد کی حوریں
کان لگا کر سنتی بس یہ کرتی تھیں۔ سوا ان نیک بیبیوں نے ایک ہی کی
شان میں کیا ترانہ گایا۔

طلع البدر علینا — چاند نکل آیا
من ثنیات الوداع — کوہ وداع کی گھاٹیوں سے
وجب الشکر علینا — ہم پر خدا کا شکر لازم ہے
ما دعی للہ داع — جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

باغبانِ حقیقی کے گلزار کی کلیاں بنی نجار کی لڑکیاں دف بجا کر اور
گیت گا گا کر اپنے روحانی باپ آں حضرت صلعم اور خاندانِ نجار پر فخر کر رہی
تھیں۔ ان کے بھولے چہروں پر معصومیت نثار ہو رہی تھی۔

نحن جوار من بنی النجار — ہم خاندان بنی نجار کی لڑکیاں ہیں
یا حبذا محمدا من جار — محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا اچھا ہمسایہ ہے

وہ سب خوش تھیں مگر انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ ان کا باپ ان سے کتنا
خوش ہے۔ اُن کی آوازوں میں ایسے عالی فخر تھا۔ پیارے پیار کی ایسی سفارش
چھپی تھی جس سے حضور بے اعتنائی نہ برت سکتے تھے۔ جو بھی حضور ان کے

قریب سے گذرے تواں بچیوں سے فرمایا کہ کیا تم مجھ کو چاہتی ہو۔ وہ طفلانہ سادگی سے بولیں ہاں حضور نے کمال خوش مزاجی سے فرمایا میں تم کو چاہتا ہوں۔
خاندان نجار کی بلند اقبال بیٹیو! تم کیسی خوش نصیب ہو۔ فرشتوں نے تمہارے دامنوں کو آنکھوں سے لگایا ہوگا حوروں نے تمہارے پاؤں کی خاک کا سرمہ بنایا ہوگا۔ جب تک جنہیں رسول کی محبت کا دعوے ہو اور رسول کو جن کی محبت کا دعوے ہو وہ اسے بخت بیدار پر جتنا فخر کریں کم ہے۔ بنو نجار کی بیٹیو! ہر مسلمان کا دل چاہتا ہے۔ کہ اسے آں حضرت کا زمانہ نصیب ہوتا اور خاک پائے پیمبر کو سرمہ بناتا۔

اِس زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بہت سے ربانی مدعی مسرت طرح حسرت سے کہتے ہیں کہ کاش ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوتے تو ہم آنکھیں فرش راہ کرتے۔ اور حضور کی جاں نثاری ورفاداری میں خون پانی کی طرح بہاتے۔ مگراں کی اس پُرحسرت آرزو کو اُن کے عمل سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

بعض معاملہ نافہم لوگوں نے لڑکیوں کے دف بجا کر گانے اور حضور کے منع نہ فرمانے پر ساز و سرود کا جواز نکال لیا۔ اسلام میں ہر اس چیز کی حرمت ہے جو انسان کے قویٰ کو مضمحل کردے یا عسکری جذبات سے سوا کسی اور جذبہ کو بروئے کار لائے۔ میں سحرالعیون کی تاثیر کو جانتا ہوں، موسیقی مجھے نفس کی محدود دنیا سے نکال کر کہیں کا کہیں لے جاتی ہے۔ لحن داؤدی سے گائے ہوئے شیریں شعر مجھے مضنوں نے قرار رکھتے ہیں اور

میں بن پیے کے متوالا سا رہتا ہوں۔ اس کی حرمت کا قائل بھی ہوں۔
آواز تو قدرت کا عطیہ سہی ساز تو شیطان کا حربہ ہے۔ ساز و آواز کی فتنہ
رائیوں سے مار کون رہ سکتا ہے۔ ساز و آواز کے ساتھ حسن شامل ہو جائے
تو رابعہ بنت زندہ دار رندِ خراب حال ہو جاتا ہے۔ اہلِ ذوق کے نزدیک
موسیقی کا رنگ مزامیر کے بغیر بے کیف ہے جس کے بغیر راگ میں رنگ
نہیں اسلام رنگ رلیاں منانے والی قوم پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ عدمِ جواز
پر مسلمانوں کا یہ حال ہے شراب اور ساز مباح ہوتے تو ہمارا اعلیٰ طبقہ کچھ تو
پی پلا کر گلی بازار میں پڑا لوٹتا اور کچھ رقص شبانہ کے نشے میں عمر کاٹ دیتا۔
ہمارے دین و دنیا پہلے بھی خراب تھے اور بھی برباد ہوتے۔

اطمینانِ قلب کے لیے عرب کا وہ راہنمائے حقیقی اس سے بہتر
چیز پیش کرتا ہے۔ اس کے پاس معرفتِ الٰہی کے نہ ختم ہونے والے نغمے
ہیں اور بستہ نہ اترنے والی شراب ہے۔ اور وہ شفق کی رنگین وادیوں کے
پرے ہی محبوب کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ دنیا کے سارے حسین جن کے
آستانے کی اُڑی ہوئی گرد ہیں خدمتِ خلق کے پاک جذبے کو قلب
کی گہرائیوں میں پرورش کرو۔ اس کی مخلوق کے لیے کوئی قربانی کرو۔ ممکن ہے
تم اچانک اُن وادیوں میں پہنچ جاؤ جہاں دنیا کا حسن ناقابلِ التفات اور
موسیقی سمع خراشی سے کم نہیں ہوتی۔ کیا کیا جائے جن کو سمجھ نہیں اسے
یہ حقیقتیں سمجھائی نہیں جا سکتیں اور جو جانتے ہیں اُن کو ماننے کی فرصت
نہیں اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ نوجوانو! تلوار ہاتھ سے رکھ کر ساز و سرود سنبھالو

نیکی اور خیر کے ارادے مصیبتوں کے پہاڑ سر پہ اٹھانے کے لیے اٹھو۔ اطمینان قلب کی دولت انسانیت کی بے لوث خدمت کے بغیر میسر نہ آئے گی۔ اور جب آجائے گی تب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اقرار کرو گے کہ اس ہادی برحق نے سچ کہا تھا موسیقی کو مذہب کا درجہ دینے والے دوستو تم راگ کی کیفیتوں میں کھوئے کھوئے پھرتے ہو۔ بہت لوگ دنیا کی مصیبتوں سے تنگ زندگی کی دلچسپیوں سے ناآشنا موت کے آرزومند پھرتے ہیں۔ راگ کی رنگین وادیوں سے نکل کر غریبوں کو سنبھالو۔ انہیں بھیک منگے نہ بناؤ بلکہ ان کی اولاد کی تعلیم و تربیت کا سامان کرو۔ تم مخلوق پر احسان کرو خالق تم پر احسان کرے گا۔

محبتِ ذات اور سنت کی پیروی

یاد رکھنا چاہیئے کہ نبیوں کی زندگی میں لوگوں پر دو قسم کے فرض عائد ہوتے ہیں۔ ایک تو ان کی ذات کی حفاظت دوسرے اُن کی سنت کا اتباع مگر دنیا کے اُٹھ جانے کے بعد صرف سنت کی پیروی کا فرض رہ جاتا ہے نبیوں اور بزرگوں کی موت پر اُن کی ذات سے محبت یقیناً موجب سعادت اور برکت ہے۔ لیکن جب تک اُن کی سنت کی پیروی نہ کی جائے صرف دعوائے محبت کافی نہیں۔

حضور کی زندگی کے حالات پڑھنے سے یہ مقصود نہیں کہ آپ کے حضرت کے اصحاب پر رحمت اور مخالفوں پر لعنت بھیجی جائے۔ بلکہ غرض یہ ہے

کہ ہم اپنی سیرت کو آں حضرت کی سیرت کے انداز پر ڈھالیں اسی طرح اہل دنیا سے محبت اور قرابت والوں سے مروت برتیں۔ خدا کی توحید کا ڈنکا ہر ملک میں بجائیں۔ دنیا کے کاموں میں کاہلی اور سستی نہ کریں دنیا میں ہی اہل حق کی سی عادات پیدا کریں اہل ملک سے امن اور صلح سے پیش آئیں بیوی بچوں کے آرام اور راحت کا خیال رکھیں۔ رسول کریم کی طرح مکان لباس اور جسم کو پاک اور صاف رکھیں۔ غریبوں اور محتاجوں کو عزت کے ساتھ خیرات نہ دیں۔ بلکہ ان کی روزی کا مستقل طور پر بندوبست کریں تاکہ وہ بھی سہارا پاکر دوسروں کو سہارا دینے کے قابل ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو انہیں بھیک مانگنے کی عادت ہو جائے۔ اپنے خاندان اور محلہ کے یتیموں کو تعلیم دلائیں اور ان کی صحت کا خیال رکھیں تاکہ وہ بآسانی کامیاب زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں۔

حضور اس امن اور برکت کی بستی میں سے گزرتے حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ کہ شرف میزبانی کس کو حاصل ہو الحائیں مسلمانوں کی نگاہیں اس سمت اٹھ گئیں۔ آنکھوں نے دلوں کی کیفیت عیاں کی۔ کون مسلمان تھا جو حضورؐ کو مہمان بنانے پر مصر نہ تھا۔ مگر ابو ایوب کی قسمت جاگی۔ آں حضرت نے بنا بر قرابت ابو ایوب کے گھر قیام پسند فرمایا اسی مکان کے متصل حضور نے مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجروں کی بنا ڈالی۔ دو یتیموں کی افتادہ زمین مول لی اور خانہ خدا کی تعمیر شروع کی۔

اکثر اہل دین بعض دنیا داروں سے زیادہ اپنی شان امتیازی کو قرار

رکھنے کے لیے مضطرب ہوتے ہیں۔ وہ سب سے آگے چلتے ہیں سب سے نمایاں جگہ پر بیٹھتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلیں تو ہر کوچہ و بازار کے لوگ جھک جھک کر سلام کریں۔ بڑھ بڑھ کر ہاتھ چومیں اور قدم لیں۔ نیکو کاراں بیماریوں سے پاک ہوتے ہیں وہ عزت کرواتے نہیں ہاں دنیا اُن کی عزت کرتی ہے۔ حد سے گذرنے والے عبدیت مندوں کی وہ سختی سے بازپرس کرتے ہیں۔ خدا کے مقبول بندے انسانی برادری میں امتیازی حدود قائم کرنے سے ہمیشہ پرہیز کرتے ہیں وہ انسانوں کی عظیم الشان خدمت کے صلہ میں مخدوم بنائے جاتے ہیں خود سیکرٹری اور صدر بننے کی تجویزیں نہیں سوچتے ہاں اگر سوسائٹی اور جماعت کی فلاح کے لیے کوئی درجہ قبول کرنے کی ضرورت ہو تو پھر تنامدار کسرِ نفسی کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ اس بار کو خوشی سے اُٹھا لیتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی ہے۔ دو جہان کے سردار بغیر امتیاز کے صحاب اور احباب میں مل کر مزدوروں کی طرح پتھر اُٹھا اُٹھا کر لا رہے ہیں جب دنیا کا سردار مزدور تھکن مٹانے کے لیے دوسرے مزدور دوستوں کے ساتھ مل کر رجز پڑھتا ہے تو حوریں باغِ جنت کے پھول نچھاور کرتی ہیں۔ اور آسمان کے پاک فرشتے آمین آمین پکارتے ہیں واہ کیا خوب رجز ہے۔

پہلا مصرع۔ انسانی سعی عمل کے لئے مستقل ہدایت ہے۔ دنیاوی کامرانی مسرت۔ طائف اور دولت کا حصول جبھی قابلِ ستائش ہے جب کہ اس کے حصول کے ذرائع قابلِ ستائش ہوں۔ ورنہ بُرے طریقوں سے

کمائی ہوئی دولت اور حاصل کیا ہوا عروج واقعتاً معصیتِ عظمیٰ ہے۔ کامیاب زندگی کا نام اسلام ہے مسلمان ناکارہ نامراد نہیں ہو سکتا۔ دنیا حاصل کرنے کی ہر کاوش نیکی ہے اور اپنے اندر اجرِ عظیم رکھتی ہے بشرطیکہ ذریعہ پر نظر رکھی جائے یاد رکھنا چاہیے نیک نیت آدمی کو بھی ناکام کا غم نہ کرنا چاہیے۔ اس کا اجر بھی خدا کے حوالے میں محفوظ رہتا ہے۔ اس لیے نیک نیتی کے ساتھ رزقِ حلال اور کسبِ کمال کے لیے ہمتوں کو بلند رکھنا چاہیے یہی عاقبت کی کامرانی کا ذریعہ ہے۔

غزوات

جب یہ مقدس معمار اپنے مبارک ہاتھوں سے ان پاکیزہ دیواروں کو چُن چُن کر حجروں اور مسجد کو مکمل کر چکے۔ تو آں حضرت نے اہلِ بیت کو بھی اس خیر و خوبی کے شہر میں بُلا لیا۔ مکہ کے کوتہ اندیش لوگوں نے نورِ ہدایت کی نہ صرف راہنمائی قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ اسے ظلم کا تختۂ مشق بنایا۔ یہاں تک کہ جبر صبر سے بڑھ گیا اور حضور کو ہجرت کا حکم آیا۔ ترکِ وطن کے بعد معلوم ہوا کہ قریش کا جوشِ جنوں فرو نہیں ہوا۔ جس کی غریب الوطنی بھی اس کے لیے اس کی ضامن نہ ہو سکے کیا کرے ہجرت کے چند روز بعد سردارانِ قریش نے کاغذی گھوڑے دوڑانے شروع کیے۔ عبداللہ ابنِ ابی کو جو رئیسِ انصار تھا ایک تحکمانہ خط لکھا کہ۔

انکم آویتم صاحبنا وانا نقسم باللہ لتقاتلنہ او لتخرجنہ او لنسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم ونستبیح نساءکم۔

(سنن ابی داؤد صفحہ ۵۵ جلد ۲ باب خبر النضیر)

تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اس کو قتل کر ڈالو۔ یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔

عبداللہ ابن ابی ہجرت سے پہلے انصار کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اس کی رسمِ تاجپوشی ادا ہونے والی تھی کہ تقدیر نے واقعات کا رُخ بدل دیا۔ آں حضرتؐ عقیدت اور عزت کا مرجع بن گئے۔ عزت اور عقیدت کے اس انتقال سے عبداللہ کو ملال ہوا۔ عبداللہ ہشیار تو تھا مگر قوتِ فیصلہ کا مالک نہ تھا۔ آں حضرت کے اقتدار سے خار تو کھاتا تھا۔ مگر دل کی کیفیت زباں پر نہ لاتا تھا۔ چنانچہ خم ٹھونک کر کبھی میدان میں نہ آیا البتہ پسِ پردہ تیر چلاتا رہتا تھا۔ مدینہ کے یہود جنہوں نے آں حضرت کے ساتھ امن و مدافعت کا معاہدہ کیا تھا قریش کی شہ پا کر آہستہ آہستہ منہ آنے لگے۔ سرکارِ دوعالم نے نہ صرف مدینہ کے یہود سے معاہدہ کیا تھا بلکہ مدینہ کے نواح میں بسنے والے تمام قبائل سے امن اور اتحاد کا پیمان باندھا تھا تاہم اہلِ مکہ کی ریشہ دوانیوں سے مدینہ کا امن مخدوش صورت اختیار کر رہا تھا۔ ذرا سا شرارہ مدینہ کے خرمن اس کو خاک سیاہ کر دینے کے لیے کافی تھا۔

باہر سے حملہ کے احتمال اور اندر کی بدامنی کے خوف سے مسلمان رات
آنکھوں میں کاٹتے اور دن کو مسلح رہتے تھے۔ ان تشویشناک حالات کے
باوجود مسلمان وحی الٰہی کے منتظر تھے۔ جارحانہ اور مدافعانہ دونوں لڑائیوں کی
ضرورت تھی جب چھیڑ چھاڑ شروع ہو جائے تو حملہ کی مدافعت کرنا اور
خود بڑھ کر لڑنا ضروری ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے تیرہ برس باوصف
انتہائی مظلومیت کے کبھی مخالف پر ہاتھ نہ اٹھایا ہو وہ بغیر حکم کے ہتھیار
کب اٹھاتے آخر خدا نے ۱۲ صفر سنہ ۲ ھ کو لڑائی کی اجازت دی۔
اور یہ آیت نازل ہوئی۔

اذن للذین یقاتلون
بانهم ظلموا و ان الله
علی نصرهم لقدیر

جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان
کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے
کیونکہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ اور خدا ان کی
مدد پر یقیناً قادر ہے۔

گویا انسانی قربانی کی آخری سرحد آ پہنچی۔ شہادت کے رستے کھلے
بہشت کے دروازے کھول دیے گئے جنت سرفروشوں کا مقام ہے
عافیت کوشوں کی جگہ نہیں۔ وہ جو سوسائٹی کی اشد ضرورت کے وقت
عذر تراشتا ہے اور جان جوکھوں میں ڈالنے سے گریز کرتا ہے خدا کی
بدترین مخلوق ہے مستحق کرامت وہ ہے جو ملت کو خطرہ میں دیکھ کر تمام
خطرات سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ جو اپنے بیوی بچوں کو خدا کے سپرد
کرتا ہے۔ اور ملت کی سلامتی کے لیے سینہ سپر ہو جاتا ہے دوسروں کے

مال واملاک بچانے کے لیے اپنا مال واملاک لٹاتا ہے۔ سر پر کفن باندھتا
ہے۔ خاک وخون کی بازی کھیلتا ہے۔ وہ خدا کی خوشنودی کا مستحق ہے اور
جنت کے گلزاروں کا وارث۔ قوم وملت کے خطرے کے وقت رد و
حدود سے جی چرانے والا خدا کا چور ہے۔ اس کی نمازیں دکھاوا اور روزے
نمائش ہیں۔ باوجود ملی عبادتوں کے سزاوار سزا ہے۔ اس آیت کے
قبل عام طور سے باہمی محبت حسن سلوک اور مالی ایثار کی قربانی کی آخری حد
تھی لڑائی کے اذن کے بعد اسلام میں بنیادی تغیر پیدا ہوگیا۔ میدان سے
حیلہ وبہانہ سے بچنے والے اور صف میں کھڑے ہوکر پیٹھ دکھانے والے
کے تمام اعمال اکارت سمجھے جانے لگے۔ تہجد کی تمام لغزشیں معاف
تصور ہوئیں۔ ۱۲ ؍ صفر سنہ ۲ھ سے لے کر قیامت تک یہ قانون مسلمانوں
میں جاری رہے گا۔ ملت کے خطرے کے وقت جہاد سے جی چرانے
والا مسلمان نہیں منافق ہے۔

خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حملہ کے خوف سے راتوں جاگا
کرتے تھے۔ سرداران قریش کے خطوں سے اُن کے جنگی ارادے صاف
صاف ظاہر ہوتے تھے۔ اب خطرات سے بے پروا ہوکر غفلت کی نیند سو
رہنا محض غلطی تھی۔ ہر دم آمادہ بہ مکار قریش سے امن کی توقع فضول تھی۔
لڑائی کی اجازت کے کچھ عرصہ بعد باوجود آں حضرت اور مسلمانوں کی اس پیش بندی
کے اہل مکہ نے کھلم کھلا چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ چنانچہ مکہ کے رئیس کرز
بن جابر فہری نے اچانک مدینہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور مال مویشی لوٹ کر

لے گیا۔

اس واقعہ کے بعد ضروری ہوگیا کہ نہ صرف مدینہ میں بیٹھ کر تب بیداری کی جائے بلکہ اہل قریش کی نقل و حرکت کی پوری نگرانی کی جائے ماہ رجب سنہ ۲ھ کو آں حضرتؐ نے عبداللہ بن جحش کو ۱۲ آدمی ساتھ دے کر بمقام نخلہ بھیجا اور ایک خط بھی دیا اور ہدایت کی کہ اسے دو دن بعد کھولنا۔

عبداللہ نے خط کھولا۔ اس میں لکھا تھا کہ نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو۔ اتفاق سے قریش کے کچھ آدمی شام سے تجارت کا مال لیے ہوئے سامنے سے گذرے عبداللہ بن جحش کے ذہن میں سردارانِ قریش کا خط اُن کی جنگی تیاریاں۔ مدینہ کے چراگاہ کا حملہ ہوگا۔ عرب کے جنگی آئین کے مطابق مسلمانوں اور قریش میں جنگ شروع ہو چکی تھی۔ ان واقعات کے بعد کسی نئے اور رسمی اعلان کی ضرورت نہ تھی مسلمانوں نے اس قافلہ پر حملہ کر دیا۔ اہل قافلہ میں سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا دو گرفتار ہوئے۔ اور قافلہ کے مال کو مالِ غنیمت سمجھ کر عبداللہ نے آں حضرتؐ کے حضور میں پیش کیا جب سارے واقعہ کی اطلاع آں حضرت کو ہوئی تو حضور نے مال قبول کرنے سے انکار کر دیا اور عبداللہ سے باز پرس کی صحابہ نے برہم ہو کر کہا عبداللہ تم نے وہ کام کیا جس کا تمہیں حکم نہ دیا گیا تھا پراپیگنڈا کے فن میں مشاق قریش نے اس واقعہ سے طوفان اُٹھا دیا۔ اور آتش غضب کو تمام عرب کے سینوں میں بھڑکا دیا۔ حالانکہ

یہی قریش اس واقعہ کے قبل مسلمانوں پر ایک شام ہلہ کرنے کی
تیاریوں میں مصروف تھے اور مصارفِ جنگ بہم پہنچانے کے لیے ایک
بڑا تجارتی کارواں شام کو روانہ کر چکے تھے۔ تاکہ سارا منافعہ مسلمانوں کے
ساتھ جنگ میں صرف کیا جائے۔

غرض جو ملا حجت لڑنے پر آمادہ تھے اب انہیں جنت ہاتھ آ گئی
مدینہ پر حملہ اب یقینی اور چند روز کی بات تھی۔ آں حضرتؐ نے صحابہ کو جمع کیا۔
اور پیش آنے والے خطرات کا اظہار کیا۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکرؓ
وغیرہ نے آں حضرتؐ پر جان قربان کرنے کا اعلان کیا۔ سرکارِ دوعالم نے
انصار کی طرف دیکھا۔ تذبذب تھا کہ یہ کیا کہیں گے۔ سعد بن عبادہ نے
حضور کی نظروں سے کیفیتِ قلب کو جانچا۔ اور کہا خدا کی قسم اگر آپ فرمائیں
تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ مقداد نے کہا۔ ہم موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے
کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپ کے داہنے سے بائیں سے
آگے سے پیچھے سے لڑیں گے۔

جوش و ہیجان کے زمانہ میں لوگوں کے صرف کان باقی رہ جاتے
ہیں عقل اور نظر جواب دے جاتے ہیں۔ اتنی سکت نہیں رہتی کہ بات
سوچیں اور پرکھیں۔ کسی منتفنی نے مکہ میں یہ افواہ اُڑا دی کہ مسلمان شام
سے آنے والے قافلہ کو لوٹنے آ رہے ہیں۔ پھر کیا تھا اہلِ مکہ نے آؤ
دیکھا نہ تاؤ ہتھیار باندھے جنگ کا ساماں درست کیا آندھی کی طرح اُٹھے
اور بدر کے مقام پر آ ٹھہرے یہاں کسی نے بتایا کہ تمہارا قافلہ تو خطرہ کی رد

سے نکل چکا ہے۔ قبیلۂ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا اب لڑائی
فضول ہے۔ مگر قریش سرداراں کسی کی کب سنتے تھے۔ عدی اور زہرہ
کے لوگ چلے گئے مگر آتش مزاج قریش آمادۂ قتال ہو گئے۔

آں حضرتؐ اہلِ مکہ کی یورش کی خبر پاکر ۱۲ رمضان ۲ھ کو مدینہ سے
اُٹھے۔ شہر سے ایک میل باہر آکر اپنی مختصر سی جمعیت کا جائزہ لیا۔ شوقِ جہاد
سے بے تاب کم عمر جانبازوں کو اس پرخطر موقعہ پر جانے سے باز رکھا۔ ایک
کم سن مجاہد عمرو بن ابی وقاص نے قابلِ جہاد ہونے کے لیے ہٹ کی
جب واپسی کے لیے کہا گیا تو وہ رو دیا۔ سالارِ عرب نے ہنس کر اجازت
دیدی وہ اور اس کا بڑا بھائی دونوں اس عزت افزائی سے خوش ہو گئے۔
آں حضرتؐ ۳۱۲ صحابہ کی مختصر سی فوج لے کر بدر کی طرف بڑھے۔ جہاں
قریش پہلے پہنچ چکے تھے۔

جنگ بدترین فعل ہے جس کا کوئی شریف حامی نہیں ہو سکتا کون
بھلا آدمی بچوں کے یتیم ہو جانے، عورتوں کے سہاگ لٹ جانے، بازو
کٹ کٹ کر بکھر جانے، سروں کی بارش ہونے، خون گر گر کر ندیاں بہ جانے
کا متحمل ہو سکتا تھا۔ مجروحین کے سینوں سے جو درد انگیز نالے اُٹھتے ہیں
جو خون کے فوارے چھوٹتے ہیں انہیں کون دیکھ اور سن سکتا ہے۔ ہاں
صرف شقی القلب لوگ انسانوں کی مصیبتوں پر اطمینان کی نظر ڈال کر خوش ہوتے
ہیں۔ ہاں ایسی جارحانہ جنگ سے پرہیز بہت بڑی نیکی ہے۔
لیکن جب خدا کو سجود ما ممنوع قرار دیا جائے، جب مردوں پر

تشدد کی بجلیاں گرائی جائیں جب عورتوں پر ظلم و ستم توڑے جائیں اور جب ایسی تمام بدعتیں روا رکھی جائیں جن کی تفصیل گذر چکی ہے اور جب شہر چھوڑ کر بھی جان نہ چھوٹے تو اس وقت مدافعت شرافت ہے اور جنگ ایک مقدس فرض ہے اس مقدس فرض کا دوسرا نام جہاد ہے جہاد سے گریز بزدلی ہے بزدل کی دنیا تباہ اور عاقبت برباد ہے۔ قوم کے غدار کا کوئی عذر مسموع نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اے عزیزو! اپنے دلوں میں جذبہ جہاد کی پرورش کرو عمر میں کم از کم ایک دفعہ افواج میں شریک ہو کر جنگ کرو۔ اگر زندگی میں یہ ممکن ہے تو مدرجۂ اعلیٰ جہاد کی آرزو لے کر ہی مرو۔ یہ بات پورے طور سے ذہن نشین کر رکھو کہ ایثار اور قربانی ہی دین مبین کی جان ہے۔ جو شخص دوسروں کو خوشی راحت اور آرام پہنچانے کے لیے اپنے وقت مال اور جان کی قربانی کا خوگر نہیں۔ وہ عاقبت کا خوشی راحت اور آرام سے محروم کر دیا جائے گا۔ دوسروں کی خدمت کا مستحق شریف آدمی ہے قیاس کرو اس مجاہد سے بہتر کون ہے جو مال و املاک کو چھوڑ دے۔ مال بچوں سے منہ موڑے اور اپنا خون دوسروں کی حفاظت کے لیے گرائے۔

جب آں حضرت نے مخالفوں کے ہاتھوں وطن چھوڑ کر بھی امن نہ پایا تو ناچار مدافعت کے لیے ہتھیار اٹھانے پڑے۔ بدر کے میدان میں پہنچے تو دیکھا کہ قریش ایک ہزار کے لاؤ لشکر سے پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں سو سواروں کا رسالہ ہے سب رؤسائے قریش ہمراہ ہیں۔ رسد رسانی کا پورا سامان

ہے۔ جنگ کی تدبیر سے واقف قریش میدان کے بہترین مقامات پر قابض ہو چکے تھے۔ محبوبِ خدا نے دیکھا کہ دشمنانِ دین میدان کے مناسب موقعوں پر قابض ہیں جس طرف مسلمان آکر اترے پانی کی قلت اور ریت کی کثرت تھی پاؤں ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ حباب بن منذر نے آں حضرت کے حضور میں عرض کی کہ اس مقام کا انتخاب وحی کے مطابق ہے یا جنگی تدبیر۔ حضور نے فرمایا جنگی تدبیر۔ حباب نے کہا تو بہترین جنگی تدبیر یہ ہے کہ ہم بڑھ کر اس چشمہ پر قبضہ کر لیں۔ آپ کو یہ رائے پسند آئی۔ اور مسلمانوں نے چشمہ پر قبضہ کر لیا۔

آں حضرت صحابہ کی آزادیٔ رائے کے بڑے قدر داں تھے۔ وحی کی صورت میں تو آں حضرت خود مجبور ہوتے تھے تدبیر کے معاملہ میں مشورہ قبول کر لیتے تھے سلیم الفطرت صحابہ وحی کے حامل پیغمبر کے حضور میں بڑی جرأت سے رائے دیا کرتے تھے۔ اور سرورِ دو عالم مناسب رائے کو خوشی سے قبول فرما لیا کرتے تھے آجکل کے ہادیانِ طریقت اور حامیانِ شریعت اپنے حضور میں لب کشا ہونے کو ہی زباں درازی سمجھتے ہیں۔ بہت سے ماں باپ ہیں جن کے سامنے اولاد دم نہیں مار سکتی۔ بہت جابر خاوند ہیں جن سے بیوی ڈرتے ڈرتے کلام کرتی ہے گویا اس شاہِ مطلق کی موجودگی میں گھر بھر غلام زادوں کی منڈی ہے۔ لوگ ایسے گھر کو مہذب گھر سمجھتے ہیں اولوالعزم پیغمبر نے اپنی امت کو آزادیٔ رائے کا سبق دیا۔ آزاد قوم پیدا ہوئی۔ ہم بیوی بچوں کی بات سننا پسند نہیں کرتے۔ اس غلامانہ ذہنیت رکھنے والی نسل

کی ادا الٹی کرتے ہیں۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ کمزور جسم اور کمزور دل کے آدمی سے عمدہ اخلاق اور اعمال کی توقع نہیں ہو سکتی۔

جو موقع جس قدر نازک اور اہم ہوتا ہے اسی قدر آزادی رائے اور بے باکی ضروری ہے۔ حباب بن منذر کی اس رائے سے ایک بڑی مصیبت سے نجات مل گئی۔ پیاس بجھانے کا سامان ہو گیا۔ اس کے علاوہ خدائے پاک نے نیک دل مجاہدوں پر اور احسان کیا۔ اس وادی غیر ذی زرع میں خلاف توقع بادل اٹھا اور جی کھول کے برسا۔ اس سے ایک تو ریت بیٹھ گئی۔ اور مسلمانوں نے مینہ کے پانی کو روک کر حوض بنائے جو نہانے دھونے کے کام آئے۔ دوسرے دشمن کے لیے یہ بارش باران رحمت ثابت ہوئی۔ لڑائی کا مقام جو ابوجہل نے منتخب کیا تھا وہ ریتلی زمین نہ تھی اس لیے زیادہ بارش کی وجہ سے وہ زمین نقل و حرکت کے ناقابل ہو گئی۔ تاہم ساز و سامان سے محروم اور تعداد میں قلیل مسلمان سامنے تھے۔ قریش اپنے زعم باطل میں ان کو مار بھگانا اپنے بائیں ہاتھ کا کرتب سمجھے بیٹھے تھے۔ بعض صلح جو قریش کی کوششیں ابوجہل کی حجت تراشی کے باعث ناکام ہوئیں۔ حکیم ابن حزام جو صلح کل اور مائل باسلام تھا سردار فوج عتبہ کے پاس گیا کہ حضرمی کا خون بہا مایہ النزاع ہے۔ وہ آپ کا حلیف تھا اگر خون بہا آپ ادا کر دیں رہتی دنیا تک آپ نیک نام رہیں۔ اس طرح ناحق خونریزی رک جائے گی۔ آپ کا بول بالا ہوگا نیک نفس عتبہ بولا مجھے منظور ہے۔ حکیم یہ خوش خبری لے کر

ابوجہل کے پاس پہنچے۔ وہ ترکش سے تیر نکال چکا تھا بولا کہ معلوم ہوگیا کہ
عتبہ ہمت ہار بیٹھا۔ ادھر حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا لو بھائی تمہارا
خون بہا سامنے آکر نکلا جاتا ہے۔ عامر نے دستورِ عرب کے مطابق نالہ و
شیون آغاز کیا۔ وامرہ وامرہ کہہ کر کپڑے پھاڑے خاک اڑا کر سر پر ڈالی
اس طرح صلح کی کوشش پر پانی پھر گیا۔ آتش انتقام سینوں میں بھڑک اٹھی
جنگ کی آگ روح میں مشتعل ہوگئی۔ عتبہ کے سینے میں ابوجہل کا طعنہ تازہ
ہوگیا۔ وہ ہتھیار لے کر بھائی اور بیٹے کے ہمراہ پہلے میدان میں اترا اور
مبارز طلب ہوا۔ انصار میں سے عوف معاذ، عبداللہ بن رواحہ مقابلہ کو
بڑھے عتبہ نے کہا یہ ہمارے پلے کے نہیں۔ ان کو بھیجو جو ہمارے جوڑ
کے ہوں۔ چنانچہ آں حضرت کے حکم کے مطابق یہ تینوں انصار لوٹا دیئے
گئے۔ حضرت حمزہ، علی اور عبیدہ مقابل ہوئے۔

لو کفر اور اسلام کی فیصلہ کن جنگ ہوا چاہتی ہے۔ مہابھارت
کے یدھ میں بہادر ارجن نے عزیز و اقارب کو میدانِ کارزار میں صف
مقابل دیکھا۔ تو جی چھوڑ دیا۔ اور ہتھیار رکھ کر سری کرشن سے بولا مہاراج
آج میرا من چنچل ہے۔ لیکن بدر کے میدان میں خدا کے سپاہیوں میں سے
پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے نہ کہا کہ بھائی بندوں کے
مقابلہ میں ہتھیار باندھتے ترس نہیں آتا۔ آج باپ بیٹے سے الجھ گیا
بھائی بھائی سے ٹکرا گیا۔ جگر گوشے تلواروں کے گھاٹ اترتے نظر آئے
سروں کے ڈھیر دکھائی دینے لگے۔ آہ جنگ ایک ناگزیر برائی ہے عقل

عسائی نے خونریزی کا انسداد آج تک خونریزی سے ہی کیا ہے۔ گرہاتھ باندھنے سے صلح ممکن ہوتی تو مسلمانوں کا سردار سب کا منت پذیر ہوتا۔ لیکن جب تک دنیا میں ابوجہل موجود ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امن پسندی کام نہیں آسکتی۔

نمازی اور غازی

قومی خطرے کے وقت انفرادی نیکی کی قیمت بہت کم رہ جاتی ہے جو عبادت گذار اور نیک شعار خطرے کے وقت سینہ سپر نہیں ہوتا اس کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ سچا مذہب وہ ہے جو انسان میں انفرادی و اجتماعی دونوں طرح کی خوبیاں پیدا کرے یعنی امن کے وقت دوستوں کا محبوب ہو اور جنگ کے وقت غنیم کا دشمن ہو۔ ہر مذہب کی ابتدا میں انفرادی نیکی کے ساتھ اہل مذہب میں جنگی سپرٹ کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ جوں جوں اہل مذہب میں مذہبی روح فنا ہو جاتی ہے ان میں جنگی قابلیت مفقود ہو جاتی ہے۔ قومی اور ملکی خطرے کے وقت وہ گوشوں میں پناہ پاتے ہیں۔ دشمن میدان خالی پاکر ملک کا امن برباد کر دیتا ہے۔ اور اہل ولن کے مال و دولت پر قبضہ جماتا ہے۔ بدر کے اللہ والوں کی زندگیوں کو دیکھو۔ نماز کے وقت پانی سے وضو کرتے تھے۔ جنگ میں خون سے ہولی کھیلتے تھے۔ رات کو مصلوں پہ بیٹھتے ہیں تو دن کو گھوڑوں کی پیٹھوں پر دکھائی دیتے ہیں۔ دیکھو جب تک مسلمانوں میں انفرادی اور اجتماعی نیکی

موجود رہی وہ دنیا میں سردار رہے اور جب سے ملّی اور ملکی خطرے کے وقت نفلی عبادتوں میں مصروف ہونے لگے دنیا کے ہر گوشے میں اسلام بے توقیر ہو کر رہ گیا۔ یاد رکھو امن کے وقت مخلوق سے حسن سلوک اور حسن معاملہ کا نام اسلام ہے۔ جنگ کے وقت سرفروشی سجادیں ہے جو امن اور جنگ دونوں حالتوں میں مذہب کا فرماں بردار بنا رہے گا فلاح پائے گا۔ جو امن کے وقت بدمعاملہ اور بد قماش ہوگا خطرے کے وقت جان چرائے گا وہ آخرت میں سزا پائے گا جس قوم کے افراد امن کے ایام میں بدکردار اور ناہنجار ہوں گے۔ اور خطرے کے وقت گھبرا جائیں گے۔ وہ دنیا کی حکومت سے محروم کر دیے جائیں گے۔ اُن پر اُن سے بہتر قوم حاکم کر دی جائے گی۔

مسلمان ہر چند تعداد میں کم تھے اور کفار ساز و ساماں میں ان پر فائق تھے لیکن سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک جان نثار تھا کوئی بھی غدار نہ تھا۔ قریش کے دل میں محض غرور اور انتقام تھا۔ مسلمانوں کے پیش نظر دنیا کی سرداری اور عاقبت کی فلاح تھی۔ پھر مقابلہ کیا تھا عتبہ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے اور ولید حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کر دیا حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کیا۔ اور حضرت عبیدہ کو کندھوں پر اٹھا لائے۔

عفرا کے بیٹے حضرت معوذ اور معاذ کم عمر تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں بوجہ خورد سالی ان بچوں کی جنگ میں شمولیت ٹھیک

تھی۔ مگر دونوں کو جنگ میں جانے پر اصرار تھا۔ آخر دونوں کو اجازت مل گئی جب عام حملہ شروع ہوا۔ اور گھمسان کا رن پڑا۔ تو دونوں لڑکوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے آکر پوچھا چچا رسول کا دشمن ابو جہل کون سا ہے حضرت عبدالرحمٰن نے اشارہ سے بتایا لڑکے شیر کی طرح جھپٹے تیر سے وار کیا قبل اس کے کہ وہ ہوش سنبھالے بے ہوش ہوکر زمین پر گر گیا ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے باپ کو خاک میں گرتے دیکھ کر عقب سے آکر معاذ پر وار کیا۔ معاذ کا بازو کٹ کر بس ایک تسمہ لگا رہا معاذ نے پلٹ کر عکرمہ کا پیچھا کیا وہ جان بچا کر بھاگا معاذ نے اپنے بازو کو پاؤں کے نیچے دبا کر جھٹکا دیا تسمہ الگ ہوگیا اور ایک ہی بازو سے حدائے واحد کی راہ میں لڑتا رہا۔

جب قریش نے دونوں سرداروں یعنی عتبہ اور ابوجہل کی لاشوں کو خاک میں پڑا پایا تو ان کے قدم متزلزل ہوگئے بعض نے جنگ بے سود سمجھ کر سپر ڈال دی اسیری کو آزادی پر ترجیح دی۔ اس جنگ میں ستر قریش کام آئے اور ۱۴ مسلمان شہید ہوئے۔ ۷۰ کے قریب قریش گرفتار ہوئے ۱۴ شہداء کے خون نے اسلام کی جڑ کو مضبوط کر دیا۔ اگر ان بہادروں کے سرخ خون کے دھبے زمین پر نہ گرتے تو دنیا میں اسلام کا گلستان باقی نہ رہتا یہ مٹھی بھر مسلمان جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر نہ نکلتے تو نہ اُن کی جان بچتی نہ عورتوں کی عزت محفوظ رہتی۔ بہادروں کی موت دینِ اسلام کی حفاظت کا باعث بن گئی۔ دنیائے اسلام ان بہادروں کی کس قدر احسان مند

ہے۔

اسیرانِ جنگ

اسیرانِ جنگ کے ساتھ حسنِ سلوک صرف اسلام کا امتیازی قانون ہے۔ جنگِ بدر کے تمام قیدی صحابہ میں ایک ایک دو دو کرکے تقسیم ہو گئے۔ حکم ہوا کہ ان کو آرام سے رکھو اور اچھا سلوک کرو۔ صحابہ نے اپنے مہمانوں سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اپنے سے اچھا کھلایا۔ ابوعزیز کا بیان ہے کہ جس انصاری کے گھر میں میں قید تھا وہ صبح وشام میرے لیے روٹی لاتے اور خود کھجوروں پر اکتفا کرتے۔ میں اس حسنِ سلوک سے شرمندہ ہو کر روٹی واپس کرنے کی سعی کرتا مگر اہلِ خانہ نہ مانتے۔ ایک شخص سہیل نامی اسیر ہوکر آیا۔ بڑا چست زبان اور آتش بیان تھا۔ آں حضرت کے خلاف اکثر زہر اگلا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جوشِ عقیدت میں آکر عرض کی یا رسول اللہ اس کے دو نچلے دانت اکھڑوا دیجیے تاکہ اس کی قوتِ بیانیہ کا خاتمہ ہو جائے۔ حضور نے فرمایا کہ عمرؓ اگر میں اس کا کوئی عضو بگاڑ دوں گا تو باوجود نبوت کے خدا میرا کوئی عضو بگاڑ دے گا۔ اسیرانِ جنگ کے کپڑے میلے ہوئے تو آں حضرت نے اچھے کپڑے بدلوائے۔ غرض دشمنوں کو دوستوں کی طرح رکھا۔ دولتمند اسیروں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ نادار قیدیوں کو حکم ہوا کہ وہ دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تاکہ مسلمانوں میں تعلیم پھیلے اور قیدیوں کو آزادی نصیب ہو۔

آج کون ہے جو اس محسنہ رحم کی پیروی کرے۔ اور اسلام کی شان کو دوبالا کرے۔ آج کل کے مسلمان امرار مسلمانوں کو ملازم رکھتے ہیں۔ مگر اسیروں سے بدتر سلوک کرتے ہیں میں نے بعض امیروں کے گھروں میں چھوٹے چھوٹے لڑکے ملازم دیکھے ہیں۔ جن کی تعلیم و تربیت کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ بچا کھچا کھانا۔ پھٹا پرانا کپڑا۔ رات دن کی محنت اُن کی قسمت ہے تعجب ہے۔ کہ جو مذہب اسیروں سے حسن سلوک کا روادار ہے وہ ملازموں سے موجودہ سلوک کا متحمل کب ہوسکتا ہے۔ آجکل ملازم کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانا۔ اپنی طرح کپڑا پہنانا تو کجا تلطف اور مہربانی سے پیش آنا ناممکن بات تصور کی جاتی ہے۔

جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی تعلیمی سرپرستی کو دیکھو کہ اسیرانِ جنگ سے اگر کوئی خدمت لی تو تعلیم پھیلانے کی۔ آجکل دروازہ پر علم کی گنگا بہتی ہے۔ مگر مسلمان اکثریت اس سے محروم ہے۔ محلوں کے امرا اور گاؤں کے مکھیا غریب و نادار کی تعلیم سے غافل ہیں علم کی دولت ملک میں مفت لٹ رہی ہے۔ مگر مسلمان بہرہ اندوز نہیں ہوتے علم کی دولت ورثہ میں نہیں مل سکتی ہر بچہ جاہل پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے آنے والی نسل کی تعلیم کا فرض موجودہ نسل پر عائد ہوتا ہے۔ جو اس فرض میں کوتاہی کا باعث ہوتا ہے وہ آنے والی نسل کی ترقی، خوشحالی اور مسرت کو فنا کرتا ہے۔ اس فرضِ عظیم سے بے پروا فلاح نہیں پاسکتا جو اپنی غفلت کے باعث آئندہ نسلوں کو مسرت سے محروم کرتا ہے وہ آنے

والی دنیا میں بھی مسرت سے محروم رہے گا علم اور آدمیت ایک ہی شے ہے۔ آئندہ نسلوں کو علم سے محروم رکھنے کی غلطی نہ کریں۔ علم کی قدر و قیمت کو خود سمجھا اور زیورِ علم سے اپنے بچوں اور ہمسایوں کے بچوں کو آراستہ کرنا خدا کی خوشنودی کا باعث ہے اور رسول کریم کی ایک باریک سنت ہے۔

بہادروں کے لیے شکست موت سے بدتر ہوتی ہے بدر کی خبر مکہ پہنچی تو شہر ماتم کدہ بن گیا۔ عزیزوں کی موت کے غم کے علاوہ دنیا میں شکست رسوائی کا بھی باعث تھی۔ تاہم قریش کی قومی حسرت رونے کی متحمل نہ ہوئی اس نے منادی کر دی کہ جو اس مصیبت میں روئے وہ بزدل۔ اہل قریش کا یہ سکوت غلام قوموں کی خاموشی نہ تھی۔ بلکہ ذلت کا احساس اور انتقام کا عہد تھا۔ رو کر انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے والی قوم نے کب فتح پائی ہے۔ قریش نے رونے دھونے کی ممانعت اسی لیے کی تھی کہ آتش انتقام سلگتی رہے۔ تا آنکہ مسلمانوں کے خون سے یہ آگ بجھائی جائے۔

غزوۂ احد ۳ھ

تدبیر سے تقدیر بنتی ہے۔ عدم احتیاط سے قسمت بگڑتی ہے۔ قریش نے شکست پر مجاہدانہ صبر کیا۔ مگر اس داغ کو دھونے کی اسی روز سے تیاری شروع کر دی۔ تجارت میں جان لڑائی اور منافع انتقامی جنگ کے لیے جمع رکھا۔ مرد کی غیرت کو برانگیختہ کرنے کے لیے عورت کس قدر موثر ہتھیار ہے۔ تمام جذباتِ جنگ کو کس قدر بھڑکا سکتا ہے غلام آباد

ہند میں بسنے والا مسلمان کیا حال سکتا ہے۔ شاعروں نے عرب میں عورتوں نے سارے مکہ میں آگ لگادی جس کے شعلے اُٹھا اُٹھ کر مدینے پہنچے۔ مدینہ والے کی دوربین نگاہ سے ایک عظیم خطرہ محسوس کیا۔ بے شک سردارانِ مکہ کو بدر کے میدان میں خاک چاٹنا پڑی اور اسلام کا سیاسی اثر بڑھ گیا۔ لیکن یہ معرکہ فیصلہ کن نہ تھا۔ دینِ مبین بدستور خطرات میں گھرا کھڑا تھا۔ قسمت نے قریش کا رور پوری طرح تہس نہس توڑا تھا جا سکے وہ میدان میں تقدیر کا فیصلہ سننے پر مصر تھے۔

ابوسفیان جیسے بڑوں کی موت سے بڑا نامدار تھا۔ اب قریش قوم کا سردار تھا اس کی طبیعت میں تذبذب تھا۔ وہ فیصلہ کن لڑائی لڑنے کے ناقابل تھا۔ ایسے لوگ جنگ کی بجائے تدبیرِ جنگ پر زیادہ انحصار رکھتے ہیں اس لیے کمال رازداری سے سامانِ جنگ فراہم کیا خفیہ جمعہ استعمام کرکے چاہا کہ اچانک حملہ کیا جائے مگر آں حضرت کے چچا حضرت عباسؓ نے جو ابھی مکہ میں مقیم تھے۔ تیز رو قاصد حضور کی خدمت میں بھیجا آں حضرتؐ نے مناسب مقام پر پہرے بٹھائے۔ دور و نزدیک مخبر دوڑائے۔ ابوسفیان بڑے لاؤ لشکر سے پھر مرے اُڑا مدینہ پہنچا اُحد کی پہاڑی پر پڑاؤ ڈالا۔ رسول کریم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا مہاجرین اور انصار نے شہر میں پناہ گزین ہوکر مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا نوجوانوں کا جوش ان کی عقل سے زیادہ ہوتا ہی ہے اصرار کیا کہ کھلے میدان میں سر آزمائی کی جائے آں حضرتؐ خاموشی سے اُٹھ کر اپنے گھر میں گئے اور ہتھیار لگا کر آگئے صحابہ

نے جانا۔ کہ نوجوانوں کے اصرار کو باکراہ قبول فرمایا ہے۔ اس لیے سب
معذرت خواہ ہوئے۔ حضور نے فرمایا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر
اُتار دے۔ غرض آں حضرت صلعم جمعہ کی نماز پڑھ کر ایک ہزار جوانوں کی جمعیت
کے ساتھ شہر سے چلے۔ عبداللہ ابن ابی مشہور منافق تین سو جوانوں کو لے کر
ساتھ ہوا۔ علیحدگی کا کوئی معقول عذر ہاتھ نہ آیا تو یہ عذرِ لنگ تراشا کہ حملہ سے
مدافعت بہتر تھی۔ چونکہ تم میری منشا کے خلاف شہر سے باہر جا رہے ہو
اس لیے میرا سلام ہے۔ عبداللہ ابن ابی کے لوٹ جانے کے بعد اب
سات سو ساتھی رہ گئے۔ شہر کے باہر فوج کا جائزہ لیا گیا۔ کمسن اور کمزور
واپس کر دیے گئے۔ ان لوگوں کی حسرتوں کا حال کون بیان کرے جو شوق
جہاد میں گھر سے نکلے اور کمزور ہونے کے باعث لوٹا دیے گئے۔ اسے
خدا اس حقیقت کو کوئی کیونکہ ہندوستانی مسلمانوں کو اچھال اُچھال کر دکھائے
کہ کمزور شخص اسلام کی فوج کا سپاہی نہیں ہو سکتا۔ اسلحہ بردار قوموں کے
مروجہ معیارِ صحت پر آج کل کے مسلمانوں کو پرکھ کر دیکھو تو دس فی صدی
مسلمان اس پر پورے نہیں اُترتے۔ اسلام ایسے کمزور مسلمانوں ہی سے
کمزور ہے۔ بعض ایماں کی قوت کے مدعی جسم کی طاقت کو نظرانداز کر
دیتے ہیں۔ اور یہ خیال نہیں کرتے کہ مسلمان وہی ہے جس کا ایمان اور جسم
دونوں قوی ہوں۔ وہ نہ کمزور صحابہ جو جنگِ احد میں لوٹا دیے گئے کچے
کمزور ایمان نہ تھے۔ قومی جھگڑے کے وقت خالی ہمتی کے ساتھ بازو میں بل
چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ انسان دشمن پر حملہ نہ کر سکے۔ اور مقابلے کی چوٹ کی تاب

۔وپکے ایک نوجوان صحابی رافع بن خدیج سے کہا گیا تم ابھی بچے ہو تو وہ ایڑیاں اٹھا کر کھڑے ہو گئے میں کس سے کم ہوں۔ آں حضرت کو یہ ادا پسند آئی اور رافع نے مجاہدین میں شامل رہنے کی سعادت پائی۔ سمرہ نام ایک نوجوان نے بڑھ کر کہا کہ حضرت میں رافع کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں اگر اسے اجازت ہے تو میں کیوں محروم ہوں۔ غرض دونوں نے کشتی لڑی سمرہ نے رافع کو زمین پر دے مارا۔ اس نے بھی کشتی جیت کر اجازت پائی۔

جنگ کے تلخ تجربوں کی بنا پر قریش نے کمال احتیاط سے صف آرائی کی۔ میمنہ پر خالد اور میسرہ پر عکرمہ کو سردار مقرر کیا۔ تیراندازوں کے دستے اور سواروں کے پہرے موقعہ بموقعہ جمائے۔ اسلامی فوج کا علم مصعب بن عمیر کو ملا۔ زبیر بن العوام افسر رسالہ مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہ رضہ نوستیوں کے کمانڈر بنائے گئے۔ عبداللہ بن جبیر اُن ۵۰ تیراندازوں کے ساتھ اسلامی فوج کی پشت پر متعین کیے گئے۔ تاکہ عقب سے حملہ ہو۔ تو یہ سینہ سپر ہوں۔ انہیں حکم تھا کہ فتح کی صورت میں بھی یہ اپنی جگہ پر جمے رہیں۔ مبادا دشمن عقب سے حملہ کر دے اور فوج سراسیمہ ہو جائے۔ غرض فریقین ڈٹ کر مقابلہ پر کھڑے طبلِ جنگ کے منتظر تھے۔

خاتونانِ قریش نے دف بجائے اور جوش میں آ کر اشعار پڑھے جس کی آواز نے قریش کو مردانگی پر ابھارا۔ اُن کا علم بردار طلحہ مست ہو کر جھومتا جھامتا نکلا۔ میدان میں بڑھ کر پکارا۔ کہو مسلمانو! تم میں کوئی ایسا ہے جو مجھ کو دوزخ میں پہنچائے۔ یا اُٹھ دے ٹھنڈے خود بہشت میں پہنچ جائے۔

اس کی خواہش کی تکمیل میں حضرت علیؓ نے بڑھ کر تلوار کا ہاتھ مارا۔ وہ
پہلے ہی وار میں فی النار ہوا۔ طلحہ کا بیٹا عثمان علم تھامے چلا۔ عورتیں پرجوش
اشعار پڑھتی ہوئیں ہمراہ ہوئیں وہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں اترا۔ حضرت
حمزہؓ کی تلوار شانہ سے کمر تک اتر گئی۔ دستور عرب کے مطابق باپ کا
نام فخر سے لیا کہ میں ساقی حجاج کا بیٹا ہوں۔ اور یہ کہہ کر بیٹا باپ کے
راستہ پر روانہ ہو گیا۔

شہادت حضرت حمزہؓ

اب گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت علیؓ دشمنوں
کی صفوں میں گھس گئے۔ آں حضرت نے تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا اس کا
مستحق کون ہے۔ کئی ہاتھ بڑھے۔ مگر یہ سعادت ابو دجانہؓ عرب کے مشہور
پہلوان کے حصہ میں آئی جو وار ہاتھ میں تلوار اور سر پر سرخ رومال
باندھے اتراتا اٹھلاتا بڑھا۔ حضور نے اس چال پر یہ خیال ظاہر فرمایا۔ کہ
غرور کا یہ انداز خدا کو ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے۔ ابو دجانہؓ
دشمنوں کو مارتے گراتے بڑھے جا رہے تھے کہ ہند ابو سفیان کی بیوی
سامنے آ گئی۔ حضرت ابو دجانہؓ نے تلوار اس کے سر پر رکھ کر اٹھالی۔
کہ رسول کریم کی تلوار عورت پر نہیں آزمائی جا سکتی۔ حضرت حمزہؓ کی سیرت
کی بڑائی یا کمزوری یہ تھی کہ انہیں جنگ میں خطرے کا احساس نہ ہوتا تھا۔
وہ تمام احتیاطوں کو بالائے طاق رکھ کر خطروں میں بن تنہا کود جاتے تھے
آج بھی وہ دو دستی تلوار چلاتے بڑھے جاتے تھے۔ دونوں پہلو خالی
تھے۔ دست بدست لڑائی میں پہلو کو خالی چھوڑنا موت کو دعوت دینا ہے

پہلو بچا کر لڑنے والا ہمیشہ جیت میں رہتا ہے۔ لیکن عرب کا وہ السا ہما
احتیاطوں کو بزدلی سمجھتا تھا۔ اور خالی پہلو بڑھ رہا تھا۔ اس کی فطرت میں
خطرے کا احساس کبھی پیدا ہی نہ ہوا تھا جس نے ابوجہل کو صحنِ حرم میں
للکارا۔ اور جو ارقم کے مکان پر حضرت عمر کے فتنے کو خاطر میں نہ لایا۔
وہی اقلیمِ تہور کا شہنشاہ دشمنوں کی صفوں میں گھسا جا رہا تھا جو سامنے آنے والوں
کو مارتا گراتا تھا۔ اتنے میں جبیر بن مطعم کے وحشی نامی حبشی غلام نے
دور سے تاکا حضرت امیر حمزہ رض کے پہلو کو خالی پایا۔ قریب آکر حربہ جو
حبشیوں کا مخصوص ہتھیار ہے اس زور سے پھینک مارا کہ ناف کے آر پار
ہوگیا۔ حضرت حمزہ رض حملہ کے لیے بڑھے مگر جوہی حربہ کام کر چکا تھا۔ لڑکھڑا کر
گرے۔ دنیا سے وہ سپاہی اٹھ گیا جو اگر زندہ رہتا اور سرداری کا موقع پاتا تو
دنیا کے فوجی سردار اس کا لوہا مانتے۔ لیکن مسلمان کے لیے دنیا کی سرداری
کی امید میں جینے سے دین کے لیے لڑتے مرنا درجہا بہتر ہے۔ شہید جاری
سے بہت بلند مرتبت ہوتا ہے۔

حضرت حمزہ رض شہید ہو گئے۔ مگر لڑائی کے دونوں پلے برابر تھے
مسلمان جہاں جوشِ ایمان سے سرمست تھے وہاں قریش نسلی غرور سے
سرشار تھے کفار کا علم بردار ایک پر ایک کٹا مگر علم ہاتھ سے نہ چھوڑا۔
ایک دفعہ علم زمین پر گرا چاہتا تھا کہ ایک بہادر قریش عورت نے علم سنبھالا
اس عورت نے لڑائی کا رخ بدل دیا۔ قریش ہمت ہارتے ہارتے
پھر سنبھل گئے اور علم گرنے کی نوبت نہ آئی۔ پھر جوشِ انتقامی کفار

سے غرور پر فتح پاتا دکھائی دیا۔ ابو دجانہؓ اور حضرت علیؓ کی پامردی نے
دشمن کی تلواروں کے منہ موڑ دیئے دشمن پیچھے ہٹا۔ نوجوان غازی بد
حواسی میں پیچھے پلٹیں کفار میں تمام سراسیمگی پھیل گئی مسلمان تیر انداز لوٹ
کے لالچ میں اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ عبداللہ بن جبیر نے ہزار روکا کسی نے
ایک نہ سنی خالد بن ولید نے جب خالی پاکر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ
کر دیا۔ پھر کیا تھا اب بیگانے کی ہوش نہ رہی مسلمانوں نے دشمن
سمجھ کر مسلمانوں پر تلواریں چلائیں۔ ہٹو بچو کے شور کوحش میں کسی نے نہ
سنا آپس میں برابر تلواریں برستی رہیں حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ جو آں حضرتؐ
سے شکل و شباہت میں کچھ ملتے جلتے تھے شہید ہو گئے تو شور ہوا کہ
سرکار دو عالم شہید ہو گئے۔ اس خبر وحشت اثر سے مسلمان اور بدحواس
ہو گئے۔ کسی نے کہا اب لڑ کر کیا کریں گے۔ کسی نے کہا زندہ رہ کیا کریں گے
جب فوج میں فتح پانے کی خواہش اور توقع باقی نہ رہے تو شکست
یقینی ہوتی ہے مسلمان بدکے ہوئے اونٹ کی طرح بدحواس ادھر ادھر
پھر رہے تھے۔ جو سامنے آیا اس کو زخم لگایا رحم کھایا لیکن نظام اور
انتظام ٹوٹ چکا تھا نہ کوئی افسر نہ کوئی سپاہی تھا۔ ہر طرف ہڑبونگ مچی
ہوئی تھی حضور زندہ تھے مسلمانوں پر شکست کی کیفیت طاری تھی حضورؐ
کے چہرے پر مغفر تھا۔ کعب بن مالکؓ نے کسی طرح پہچانا۔ پکار کر کہا۔
مسلمانو! محمد زندہ ہیں۔ یہ جان بخش صدا سن کر کچھ بہادر دشمنوں کی صفوں
کو چیرتے پھاڑتے آں حضرتؐ کی طرف بڑھے۔ ادھر دشمنوں نے بھی

حضور پر ہجوم کیا۔ اب کفار کی ساری کوشش یہ تھی کہ شمع رسالت کو ہمیشہ کے لیے گل کر کے پھر کفر کی تاریکی میں عصیاں کی پہلی سی دھاچوکڑی مچائی جائے۔ معرکہ سخت اور وقت نازک تھا جبکہ شمع رسالت کے گرد پروانوں نے حلقہ بنایا۔ تلواریں بجلی کی طرح تڑپیں۔ بہادر بادل کی طرح گرجے۔ تیر بارش کی طرح برسے۔ اسلام کے حلقہ بگوشوں کا حلقہ ہر اِک حملوں سے ٹوٹا۔ تلواریں تلواروں سے ٹکرا کر ٹوٹیں۔ ترکش تیروں سے خالی ہو گئے مگر ہمتیں دونوں طرف بدھی رہیں۔ معرکہ حرب وضرب جاری تھا۔ ادھر زخم خوردہ لوگوں کو قریش کی عورتیں آغوش میں لے رہی تھیں۔ اور بانیوں کو آمادہ پیکار کر رہی تھیں۔ ادھر نورانی نبی کی پاک بیبیاں اور صحابہ کرام کی عورتیں مشکیزے کمر پر لادے اور پیالے اوپر اُٹھائے دور سے پانی لا لا کر پیاسوں کی پیاس بجھانے میں پسینہ بہا رہی تھیں۔ دونوں طرف عورتوں کا ایثار قابل داد تھا۔ چودھویں صدی کا ہندوستانی جنتی عورتوں کی شمولیت جنگ پر ہزار ناک بھوں چڑھائے مگر حق یہ ہے۔ کہ ملکوں اور قوموں کے انتہائی خطرے کے وقت عورت اگر جان پیش کرنے سے گریز کرتی ہے۔ تو اسے شکست کے بعد دشمن کے سامنے جسم پیش کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے عقلمند اور باغیرت عورتیں اجتماعی خطرے کے سدباب کے لیے بھائیوں اور بچوں کو قربانی کے لیے تیار کرتی ہیں۔ تاکہ شکست کے بعد ناموس کی قربانی کی نہ جائیں غلامی پر قناعت کرنے والے مسلمان کیا جانیں کہ رسوائی جس اور اس کا سارا زور فاتح کے قدموں پر عجز اور انکسار سے ڈھیر ہو جاتا ہے۔

ممکن ہے کہ عورت خود جنگ میں بہتر سپاہی نہ ہو لیکن اس میں
شبہ نہیں کہ وہ نائرہ حرب بھڑکانے اور سپاہیوں کا دل بڑھانے کا کارگر
حربہ ہے۔ وہ خود سراسر پاک ہو مگر نازک وقتوں میں اقوام کو سیسہ پلائی ہوئی
دیوار بنا دیتی ہے۔ مرد عورت کے اثر کو کم سمجھنے والا کم عقل ہے۔ وہ
سینوں میں خواہشوں کے طوفان اٹھا سکتی۔ وہ چشم زدن میں کاروانِ ضبط
لوٹ لیتی ہے۔ کسی کی عقل اور منطقی دماغ کو ہوش سے بیگانہ کر کے
اسے کوئی روزگار رہنے کے لیے چھوڑ دیتی ہے۔ بزدل اس کی للکار سے
شیر دل ہو جاتے ہیں۔ اور شیر دل بے جگری سے حملہ آور ہوتے ہیں احد
کی سپاہ دیکھیے چودہ نازنیاں قریش سولہ سنگار کر کے پیچھے کھڑی جا بستہ
ہاتھوں سے دف بجا بجا کر اور اک ادائے دلبرانہ سے یہ شعر پڑھ پڑھ کر دلوں
میں جنگی جوش پیدا کر رہی ہیں۔

نحن بنات الطارق	ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔
نمشی علی النمارق	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔
ان تقبلوا نعانق	اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی
او تدبروا نفارق	اور پیچھے قدم ہٹایا تو الگ ہو جائیں گی۔

ان اشعار میں ترغیب و تحریص کی کتنی ترکیبیں پوشیدہ ہیں۔ قریش کا
کون نوجوان بارگاہِ ناز سے سرفروشی کا اشارہ پا کر آمادۂ پیکار نہ ہوتا۔
ادھر دیکھو حرم نبوی سے پاک بیبیاں صحابہ کرام کے گھروں سے
نیک عورتیں زباں سے اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف دل میں نمازیوں کی فتح

ولصرت کی دعائیں مانگ رہی ہیں اور زخمیوں کی دیکھ بھال بھی کر رہی
ہیں۔ جب گھر کی عورتیں ہی میدان میں موجود ہوں تو مردِ مومن کے گھر میں
رکھا ہی کیا ہے۔ جب پاک نبی کی حرمِ محترم زخمیوں کو پانی بلاتی ہوں پھر
کون اپنے قدم پیچھے ہٹا کر دوزخ کا ایندھن بن سکتا ہے۔

جنگ کچھ دیر پھر ترازو کے تول آئی۔ ماہِ عرب کے گرد بکی کے درخشندہ
ستارے ہار مانے مصروفِ رزم تھے۔ جب زیادہ زور پڑتا کچھ فدا کار بڑھ
کر ریلے کو روکتے۔ زخم لگاتے زخم کھاتے ایک دفعہ کفار نے بڑا
ہجوم کیا۔ آں حضرت نے فرمایا دیکھیں کون جان پیش کرتا ہے حضرت
زیاد بن سکن پانچ انصار کے ہمراہ بڑھے۔ دشمن کو پیچھے مار بھگایا۔ لیکن
تاجِ شہادت پہن کر خدا کی خوشنودی کی بہشت میں داخل ہوئے آنحضرت
نے حکم دیا کہ زیاد کا لاشہ لایا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ ابھی جامہ زمیں
جان باقی تھی۔ اس نے ہمت کر کے آں حضرت کے قدموں پر مُنہ رکھ دیا
اسی حالت میں عالمِ بقا کو سدھارے۔ موت جو محبوب کے قدموں میں آئے
وہ ہزار زندگی سے بہتر ہے۔

اہلِ ایمان مصائب کے ہجوم میں اور خطرات میں گھر کر زیادہ بے
پروا ہو جاتے ہیں۔ گھمسان کا رن تھا۔ ایک صحابی مزے سے کھجوریں کھا
رہے تھے۔ بہت اطمینان سے پوچھا کہ حضورؐ مارا گیا تو کہاں جاؤں گا۔
صحابی اور شہادت کا درجہ نہ پہچانے یہ بس یہ بات نہ تھی۔ بلکہ وہ رسالت پناہی
کی زبان سے جنت کی قیمت جان دے کر ادا کرنا چاہتے تھے۔ مارا گیا تو کہاں جاؤں گا

کا جواب ملاحت میں "اس بشارت سے بے خود ہو کر وہ اللہ کا نام لے کر دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ کلمہ پڑھتے جاں بحق ہوئے۔ کیسی مبارک موت تھی قوم کی مدافعت ملک کی آزادی ہمسایہ کی ہواخواہی۔ عرب کے بچاؤ کے لیے اپنی جان دینا شہادت ہے۔ شہید کی نجات میں شبہ کرنے والا ایمان سے محروم ہے۔

قدرت کی طاقتوں پر اختیار نہ تھا۔ قریش کی بے چین روحیں مٹنے یا مٹانے پر تلی ہوئی تھیں۔ تاہم وہ ٹکروں سے اس آہنی دیوار کو ڈھانے میں مصروف تھے۔ اسلام کو اس سے زیادہ بہادر دشمنوں کا مقابلہ کبھی پڑا ہوگا۔ آج یہ جان دینے والی قوم کی کرامات ہے جن کے کرنے صحابہ کے ایمان کا مقابلہ کیا وہ اہل عرب تھے اہل عجم تو اسلامی افواج کے مقابلہ میں یوں بے بس ہو گئے جیسے تند آندھی کے سامنے مچھر۔

قریش نے صدیوں سے شکست کا نام نہ سنا تھا۔ اہل اسلام کو وہ س کی لکڑی سمجھ کر نظرِ حقارت دیکھتے تھے۔ اور دانت پیس کر حملہ آور ہوئے تھے۔ کئی ناکام یورشوں کے بعد ایک ایک حملہ اس بے جگری سے کیا کہ مسلمانوں کی صفوں میں ہلچل پڑ گئی۔ قریش کے بہادر عبداللہ بن قمیئہ نے آں حضرت پر اس سرعت سے بڑھ کر وار کیا کہ مسلمان دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ تلوار کا وار تو آں حضرت کے چہرے پر پڑا مغفر کی وجہ سے گھاؤ گہرا نہ ہوا۔ مگر چہرہ لہولہان ہو گیا۔ اب دست بدست لڑائی ہو گئی۔ جاں نثاروں نے آں حضرت کے لیے اپنے جسموں کو ڈھال بنایا۔ ابو دجانہ حضور پر جھک گئے

لشکر نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا۔ ایک ہاتھ کٹ گیا۔ تیروں کی جنگ تیروں پر، نیزوں کی جنگ تلواروں پر آ گئی۔ حملہ اور مدافعت کا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رہ گئی۔ کفر کے سنگ دل جو شمع ہدایت کو بجھانے کے لیے اُمڈے ہوئے تھے۔ موقع بہت نازک تھا۔ اس وقت آں حضرت کی زبان سے کیا نکلا کوئی بددعا نہیں بلکہ رحمتِ عالم نے یہ دعا دی۔

رب اغفر قومی فانہم ۔ اے خدا میری قوم کو بخش دے وہ

لایعلمون ۔ نہیں جانتے۔

معرکۂ جنگ جاری تھا۔ سر کے پیارے سر بسر ہو رہے تھے حضرت انس کے سوتیلے بھائی طلحہ اور سعد وقاص دشمن پر تیر برسا رہے تھے۔ آں حضرتؐ خون سے لت پت تھے۔ خون کے بہنے سے نڈھال ہو کر حضورؐ پکارے۔ وہ قوم جو اپنے پیغمبر کو زخمی کر دی ہے کیا فلاح پا سکتی ہے ارشادِ الٰہی ہوا

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۔ تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں۔

یہ ارشاد بھی ہوا اس لیے کہ آں حضرت کا روئے سخن کفار کی طرف تھا۔ حالانکہ پیغمبر کے زخم ان صحابہ کے لیے سامانِ عبرت تھے۔ جنہوں نے جماعت اور فوج کی تنظیم کو لوٹ کے لالچ کے باعث فنا کر دیا۔ سپاہی جو فرض سے کوتاہی کرتا ہے۔ وہ اپنے افسر کی جان پر عذاب لاتا ہے۔ اسلام کی فوج کا ہر سپاہی جو خوف اور لالچ میں آ کر اپنا مورچہ چھوڑتا ہے وہ اپنے پیغمبر کے جسم پر کاری ضرب لگاتا ہے۔

جنگِ احد اہل ایماں کے لیے اس امر کا ثبوت ہے کہ دنیا محض
قوتِ ایماں کے بھروسہ پر فتح نہیں کی جا سکتی۔ ایماں کے ساتھ اسباب
اور تدبیر کی بھی ضرورت ہے۔ یورپ کے ہلاکت خیز اسلحہ کے مقابلہ
میں تکبیر کہہ کر بغیر ہتھیار صف آرا ہونا روحِ اسلام سے بے خبری ہے
جنگِ احد میں صحابہ کی ذرا سی غلطی سے کیا رو بہ مدو کھا العیب ہوا۔ خُدا
کا فرستادہ زخموں سے نڈھال ہے اولوالعزم صحابہ بسترِ خاک پر جاں دے
رہے ہیں۔ یہ سب کچھ عقب کو خالی کر جانے والے تیر اندازوں کے دستہ کا قصور تھا
دنیائے اسلام کی بربادی اور غلامی کا باعث کیا چیز ہے۔ تیاری کے
بغیر جنگ۔ ساماں کی کمی۔ تدبیر کی کوتاہی۔ نظام کا فقداں۔
مسلمانو! تم سمجھے کہ اس شکست میں تمہارے لیے عبرت و بصیرت
کے کتنے سبق موجود ہیں؟ یاد رکھو! اللہ تبارک و تعالیٰ کو اسی بات پر
اصرار ہے کہ قوتِ ایماں کے ساتھ اسباب اور تدبیر کی بھی ضرورت ہے
فتح و کامرانی کا یہ اٹل قانون ہے پاک پیغمبر ہو یا گنہگار انساں سب کے لیے
اسباب و تدبیر بروئے کار رکھنا کامیابی کی شرط ہے۔ بے شک اللہ کے بھروسہ
پر بے سروسامانی میں کام شروع کر دو لیکن مسلسل محنت اور کوشش سے
ساماں پیدا کرو۔ اللہ کی دی ہوئی عقل کو کام میں لاؤ۔ کامیابی تمہاری لونڈی اور
غلام ہو جائے گی۔ اسباب و تدبیر سے غافل ہونا خُدا کے حکم سے غافل ہو
جانا ہے۔ یہ حکم ازل سے ابد تک کائنات میں جاری ہے۔ جو فرد یا جماعت اس
سے سرتابی کرے گی وہ ذلیل و خوار ہو گی جب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

ساتھیوں کی غلطی جو آپ کے زخموں کا باعث ہوئی ہے تو دنیوی اسباب دہ ہر دنیا کے زخموں سے کون بچ سکتا ہے پس کامیابی اور کامرانی کے لیے اسباب ڈھونڈو اور تدبیر سے کام لو۔

اس تنبیہ کے بعد تاکہ امت کو آئندہ عبرت رہے۔ خدا نے اپنے پیغمبر کے لیے بچنے کا موقعہ بہم پہنچایا۔ اور حضور صحابہؓ کے ہمراہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ ہاتھ آیا دشمن بارہا چاہا کہ پہاڑ پر چڑھ کر سب کو گھیر لوں۔ صحابہ نے پتھراؤ کیا۔ ابوسفیان نے منہ کی کھائی۔ کھسیانا ہو کر سامنے کی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ کم ظرفوں کی طرح طعنے کے طور پر پکارا یہاں محمدؐ ہیں۔ آں حضرتؐ نے حکم دیا کہ کوئی جواب نہ دے پھر اس نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر پکارا سکوت طاری رہا۔ ابوسفیان بلند آواز سے پکارا کہ سب مارے گئے حضرت عمرؓ بول اٹھے۔ کہ اے دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں جب ابوسفیان خانہ نشین بیوی کی طرح طعنے دے۔ تو سمجھ لو کہ اب اس کی قوت مردانگی داد شجاعت دینے سے انکار کر چکی ہے ورنہ ابوسفیان پھر پہاڑ پر چڑھائی کی سعی کرتا لیکن جو اب تک ہوا وہ اسی کو فتح سمجھتا تھا فیصلہ کن جنگ سے وہ طبعاً گریز کرتا تھا۔ جو کچھ ہو چکا تھا وہ اسی کو فتح سمجھتا تھا چنانچہ جب دونوں وقت ملے دونوں فوجیں جدا ہو گئیں۔ ابوسفیان فتح کے پھریرے اڑاتا پلٹا اور پکارا کہ آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ قریش کی عورتوں نے شہدا کے ناک کان کاٹ کر ہندہ کے گلے کا ہار بنایا۔ اور ہندہ ان پھولوں سے مزین ہو کر حضرت حمزہ کی

لاش پر گئی۔ سینہ بے کینہ کو چاک کیا۔ جوش مسرت سے کلیجہ نکالا۔ دانے لیکر کھانے لگی۔ نگل نہ سکی تو اُگل دیا۔ ایک ہندہ کا کیا ذکر ہے۔ آج کے دن کسی قریش کے پاؤں زمین پر نہ لگتے تھے۔ مگر نبی کے ساتھیوں کے دلوں میں ہوک اُٹھتی تھی۔ بہت سے شہزادے خاک میں بے گور و کفن پڑے تھے جب دشمن فتح کے شادیانے بجاتا دور جا چکا تو آں حضرت نے مُردوں کے کفن دفن کا حکم دیا۔ ایک گونہ شکست کی صورت اس پر بے سروسامانی کا یہ عالم پانی کی کمی اور آنسوؤں کی روانی میں لاشیں سپرد خاک کی گئیں۔ کیسا رقت خیز منظر کیسی روح فرسا رات تھی۔

نبی کی فرض شناسی انتہائی مصیبت میں بھی حزم و احتیاط کو ملحوظ رکھتی ہے۔ ہر چند صحابہ زخموں سے چور چور تھے لیکن دشمن کے پلٹ آنے کا خطرہ موجود تھا۔ اس لیے آپ نے حفظ ما تقدم کے طور پر مسلمانوں کو خطاب کرکے کہا میرے ہمراہ ساتھیو تم میں سے کون دشمن کے تعاقب میں نکلے گا۔ یہ سن کر ستر جری جواں سر ہتھیلی پر رکھ کر نکلے۔

ابوسفیان فتح کی خوشی میں مگن جا رہا تھا جب روحا پہنچا تو طبیعت میں اعتدال پیدا ہوا۔ سوچا کہ میں تو میدان جیت کر بازی ہار بیٹھا۔ اگر محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ آج نہ کیا تو وہ دن کب آئے گا۔ اس لیے پھر اس ارادہ سے پلٹنا چاہا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ چل کر محمدؐ کو ختم کروں تاکہ اسلام باقی نہ رہے۔ لیکن قبیلہ خزاعہ کا رئیس راہ میں ملا وہ درپردہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے ابوسفیان کو ازراہ ہمدردی سمجھایا کہ محمدؐ فوج گراں لے کر آ رہا

اب لوٹ جانے میں ہی سلامتی ہے اور گھر کو ٹھیلنے کا بہانہ ہو گیا ابوسفیان جلدی جلدی مکہ پہنچا۔ فتح کی خوشی میں قریش کے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے گئے مدینہ ماتم کدہ بن گیا۔

کون فتحیاب ہوا

مسلم تیراندازوں نے لوٹ کے لالچ میں عقب خالی کر کے مسلمان پر مصیبت طاری کر دی۔ ابوسفیان نے فیصلہ کن جنگ کے بغیر حکم واپسی دے کر مسلمانوں کو مٹانے کا موقعہ کھو دیا۔ گویا تدبر اور استقامت کی کمی کے باعث شکست کھا گئے۔ عورتیں دونوں طرف اپنے فرض منصبی ادا کرنے میں آخری وقت تک جاں لڑاتی رہیں اور فتحیاب ہوئیں۔ قریش اور مسلمان عورتوں میں فرق یہ تھا کہ اول الذکر اشعار میں اپنے حسن و شباب کا تذکرہ کرتی تھیں اور موخر الذکر کی زبان و قلب فتح و نصرت کی دعاؤں میں اور ہاتھ پاؤں زخمیوں کی خدمت میں مصروف تھے۔ جہاں قریش کی ایک بہادر عورت علم سنبھال کر لڑائی کا رُخ بدل دیتی ہے وہاں ام عمارہ آں حضرت پر جراح کے اچانک حملے کو بڑھ کر روکتی ہے۔ کندھے پر گہرا زخم کھاتی ہے مگر پیغمبرِ خدا کو کاری زخم سے بچاتی ہے۔ حضرت حمزہ کی بہن صفیہ بھائی کی موت کی خبر سُن کر آتی ہے دشمانِ دین کے ہاتھوں بھائی کی مثلہ کی ہوئی لاش دیکھ کر دعا پڑھتی ہے اور خوش لوٹ جاتی ہے۔ مو دینہ کی صاحبِ ایمان عورت باپ بھائی اور سرتاج کی شہادت کی خبر کو صبر سے سنتی

ہے مگر سرورِ دو جہاں کی موت کی خبر سے بے تاب ہو کر گھر سے نکلتی ہے جب پیارے پیغمبر کو سلامت پاتی ہے۔ تو کہتی ہے کہ اب ہر مصیبت برداشت ہو سکتی ہے غرض اس جنگ میں مرد یا عورت جیتی۔ کیونکہ دونوں طرف سے مردوں نے اس لڑائی میں کوتاہی کی مگر کسی طرف کی عورتوں سے در العرش نہ ہوئی۔

شکست خوردہ جمیل اور ناکام لشکر بے آبرو ہو کر لوگوں کی نظروں سے گر جاتے ہیں۔ اپنے فن میں فتح اور کام میں کامیابی انسان کو عزیز جہاں ماتی ہے لیکن عجب اعجاز ہے۔ کہ یثرب کا سردار شکست کھا کر فاتح سے زیادہ پیارا معلوم ہوتا۔ اگرچہ اُحد کی ناکامی سے ہمسایہ قبائل کے دلوں میں اسلام کا رعب کم ہو گیا مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدستور مومنین کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنے رہے کیوں اس لیے کہ وہ خوف اور لالچ سے پیغمبر کے ساتھ نہ تھے۔ بلکہ ان کی تعلیم اور سیرت کے گرویدہ تھے مصیبت میں صابر و شاکر مصلح سے زیادہ محبوب کون ہو سکتا ہے وہ آں حضرتؐ کی اسی ادا پر قرباں تھے۔ بے شک تاریکی میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اور مصیبت میں ساتھی منہ موڑ لیتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہوتے ہیں جو خوف یا لالچ سے جمعیت فراہم نہیں کرتے۔

سب سے اہم بات یہ تھی کہ حضور نے آج کل کے جھوٹے پیروں کی طرح مسلمانوں کو تعویذ دے کر نہیں کہا تھا کہ جاؤ کامیابی لونڈی غلام ہو جائے گی۔ بلکہ انہوں نے مسلمانوں میں لیس للانسان الا ما سعیٰ کا جادو پھونکا تھا۔ اور صاف صاف بتا دیا تھا کہ کامیابی کا دارومدار اپنی سعی اور عمل

مسلمان اپنی غلطی کو احد کی شکست کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ انہیں رسول مقبولؐ کے
اس کی سچائی پر شبہ کرنے کی بجائے خود اپنی ورگذاشتوں پر ندامت تھی
جس کے باعث جاں سے پیارا پیمبر زخمی ہوا اور خود نقصان مایہ و شماتت
ہمسایہ کے مورد ٹھہرے۔

سنہ ۴ھ

ابو سفیان جو ابھی تک ہار نہ جیتا۔ پھر حملہ کی جرأت تو نہ کر سکا مگر مسلمانوں
کے خرمن امن میں برابر آگ لگانے میں مصروف رہا۔ قریش نے قبیلہ عضل
و قارہ کے کچھ آدمیوں کو گانٹھا اور یہ پٹی پڑھائی کہ مسلمانوں سے جا کر کہو کہ ہم
سب مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ اس لیے چند معلم ہمارے ہمراہ کر دیجئے جب
وہ مکر کے پھندے میں پھنس جائیں تو موقع مناسب پا کر انہیں فنا کے
گھاٹ اتار دو۔ بدقسمتی سے مسلمان ان کے دام فریب میں آ گئے۔ دس معلم
عاصم بن ثابت کی سرداری میں ان کے ہمراہ کر دیے گئے مگر کمین ان مسلمانوں
کو دم دے کر مقام رجیع تک لائے۔ ادھر بنو لحیان کے آدمیوں کو اشارہ
کیا وہ دو سو جوان لے کر بے گناہوں پر ٹوٹ پڑے۔ آٹھ کو شہید دو کو گرفتار
کیا۔ خبیبؓ اور ایک دو زخمی قیدیوں کو مکہ لے جا کر قریش کے ہاتھ بیچ ڈالا
جنہوں نے بڑا ایک رچایا۔ ان کے قتل کا دن مقرر کر کے رقص بسمل کا تماشہ
دیکھنے کو ادھر ادھر سے لوگوں کو بلایا۔ موت کے انتظار میں ان بے چاروں
کو قید رکھا۔ حضرت خبیبؓ نے حارث کو جنگ احد میں قتل کیا تھا اس لیئے

وہ بھوک پیاس سے حارث کے قیدی رکھے گئے۔ ایک حارث کی ننھی
ہاتھ میں چھری لیے کھیلتی کھلاتی حبیب کے پاس آ گئی حضرت چھری ہاتھ
سے لے کر لڑکی کو کھلانے لگے۔ بچی کی ماں حبیب کے ہاتھ میں چھری
دیکھ کر کانپ گئی حضرت حبیب معاملہ سمجھ کر بولے اے عورت تو یہ
سمجھی کہ میں اس معصوم کو قتل کر دوں گا یہ مسلمان کا کام نہیں۔

مقتل میں تماشائیوں کا مجمع ہے۔ حارث کا خاندان حضرت خبیب کو
کشاں کشاں لاتا ہے۔ مروجہ رسم کے مطابق جلاد سوال کرتے ہیں کہ
تیری کوئی خواہش ہے حضرت حبیب موت سے پہلے نماز کی اجازت
مانگتے ہیں۔ اور اجازت پا کر قبلہ رو ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر اس احتمال
سے دو رکعت جلدی ختم کر دیتے ہیں مبادا مشرک سمجھیں کہ مومن موت
سے ڈر گیا۔ حضرت حبیب صلیب پر لٹکائے جاتے ہیں۔ چالیس نیزہ باز
لاش پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ نیزوں کی انی سے جسم کو چھلنی کرتے ہیں
بیان کیا گیا ہے کہ جاں سپاری سے پہلے شہید کی زبان پر یہ شعر جاری اور
کنارہ پہ سناٹا طاری تھا۔

وما ابالی حین اقتل مسلما	جب میں اسلام کے لیے قتل کیا جا رہا ہوں
علی ای شق کان فی اللہ مصرعی	تو مجھ کو اس کی پروا نہیں کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا۔

ادھر ایک ستمگار زید کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے تلوار
تول رہا تھا۔ کہ ابوسفیان نے بڑھ کر پوچھا۔ کہو زید اگر تمہارے بدلے محمدؐ

قتل کر دیے جاتے تو کیا اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے۔ زید بولا سنو اے ابو سفیان۔ سو جان سے پیارے رسول کے پاؤں میں کانٹے کی چبھن برداشت کرنا مشکل ہے مگر جان قربان کرنی آسان ہے۔ ابو سفیان اس تلخ حقیقت کو سن کر زہر کے گھونٹ پی گیا۔

اسی ایام میں قبیلہ کلاب کا رئیس ابو براء حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ درخواست کی کہ چند آدمی ایسے میرے ساتھ بھیجیں جو میری قوم میں جا کر دعوت دیں دین حضورؐ کو تذبذب تھا۔ مگر ابو براء مبلغین کا ضامن بنا۔ ۷۰ انصار کا قافلہ اللہ کے دین کی اشاعت کو نکلا۔ جب ان درویشوں کا یہ گروہ بیر معونہ کے مکان پر پہنچا۔ تو انہوں نے ایک صحابی حرامؓ کو آں حضرتؐ کا خط دے کر سردار قبیلہ عامر کے پاس بھیجا۔ عامر نے حرامؓ کو شہید کیا۔ اور قبائل میں آدمی دوڑائے۔ ایک لشکر جمع کیا اور بے خبری میں صحابہ پر ٹوٹ پڑا۔ سب کو تہ تیغ کر کے صرف ایک شخص عمروؓ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔

ان دونوں روح فرسا واقعات کی خبر آں حضرتؐ کو ایک ہی وقت پہنچی اس صدمہ کی کیفیت بیان کرنے سے بہتر ہے کہ آپ خود ہی اس کیفیت کا اندازہ کر لیجیے۔

ہجرت کے ابتدائی ایام میں یہود اپنی قوت کے نشے میں اسلام کے خطرے کو خاطر میں نہ لائے۔ جب بدر کے میدان میں قریش کے اقبال کا آفتاب غروب ہوتے دیکھا تو انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آیا۔ اس

لیے دیا کہ اسلام کے چراغ کو پھونکوں سے بجھایا جائے کہا کہ مسلمان میں کیا کوئی اُٹھے گا اور جنگی بجاتے میں انہیں مٹا دے گا۔ آخراں کی شرارت پسندی اسلام دشمنی کی حد تک پہنچ گئی۔ اور وہ بے حد گستاخیاں کرنے لگے۔ آں حضرت پر راہ چلتے آوازے کسنا اُن کا معمول ہوگیا۔ مگر یہ پیغمبر کا دل گردہ تھا کہ آپ سب کچھ سُن کر خاموش ہو جاتے تھے۔ کبھی کسی کے سر نہ آتے تھے۔ ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنو قینقاع نے ایک مسلمان عورت کو برسر بازار برہنہ کر دیا۔ ایک مسلمان موقعہ پر پہنچا اور مفسد کا سرتن سے جُدا کیا۔ یہودیوں نے مل کر ہجوم کیا اور مسلمان کی مل کر بوٹیاں اڑادیں اس کے بعد بلوہ عام ہوگیا۔ حضور بھی جنگ پر مجبور ہوئے۔ بنو قینقاع قلعہ بند ہوگئے۔ بالآخر عبداللہ ابن ابی کی وساطت سے ترکِ وطن کی اجازت چاہی۔ آں حضرت نے خون گرانے سے حتی الوسع اجتناب ہی کیا۔ بنو قینقاع کی درخواست کو قبول کرلیا اور وہ شام میں جا آباد ہوئے۔

سنہ ۴ ھ کے واقعات کے ماتحت بیرِ معونہ کا ذکر آچکا ہے۔ کہ عمرو کو عامر نے چھوڑ دیا تھا۔ اس نے واپسی پر دو راہ گذروں کو اس شبہ میں قتل کر دیا کہ یہ اُن سپاہیوں میں سے ہیں جنھوں نے میرے ساتھیوں پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ لیکن یہ دو شخص دوسرے قبیلہ کے لوگ نکلے آں حضرت نے قصہ سُنا تو افسوس کیا اور اس قبیلہ کے تالیفِ قلوب کی خاطر خون بہا ادا کرنا مناسب سمجھا۔ بنو نضیر بروئے معاہدہ ایک حصہ خون بہا کے ذمہ دار تھے۔ سرورِ عالم بنفسِ نفیس ان یہودیوں کے ہاں گئے۔ انھوں نے بظاہر

ہلاک کر دیں۔ در پردہ چاہا کہ نبیِ رسالت کو قتل کر دیں۔ سازش یہ تھی کہ جونہی حضورؐ سایۂ دیوار میں دم لیں عمرو بن حجاش یہودی آنحضرت پر ایک بڑا پتھر بالاخانہ سے لڑھکا دے۔ خدا کے نبی کو دشمنوں کی سازش کا حال معلوم ہو گیا۔ اگرچہ حضور مدینہ میں واپس آ گئے مگر بنو نضیر کے دل میں جو چور تھا وہ مخالفانہ جوڑ توڑ میں لگ گئے۔ عبداللہ ابن ابی کی انگیخت اور بنو قریظہ کی معاونت کے بل بوتے پر سرکشی اختیار کی انہیں اپنی قلعہ بندیوں پر بڑا ناز تھا۔ کھلے میدان میں مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو بیٹھے۔ جب محاصرے کی شدت بڑھی تو آنکھیں کھلیں۔ قیاس کیا کہ مسلمانوں سے مڈبھیڑ ہوئی تو ان سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ اس لیے بنی قینقاع کی پیروی میں ترکِ وطن کی اجازت چاہی۔ جو منظور ہوئی۔ یہود کے مذہبی سلسلہ اور ان کی رعایت کے سبب بعض انصار کی اولاد نے یہودی مذہب اختیار کیا ہوا تھا۔ اس لیے بنو نضیر کے جانے کے وقت یہ نزاع پیدا ہوا کہ بنو نضیر انہیں اتحادِ مذہب کی بنا پر ساتھ لے جانا چاہتے تھے مسلمان روکتے تھے۔ اس وقت قرآن کی یہ آیت اتری۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ

مذہب میں زبردستی نہیں۔

مسلمان خدا کے حکم کے پابند ہو گئے۔ وہ لوگ آزاد ہو گئے جہاں چاہیں جائیں جن کے ساتھ رہنا چاہیں رہیں۔ آخر بڑا دھوم دھڑکا مچاتے ناچتے گاتے نواحِ مدینہ سے کوچ کر کے خیبر میں جا بسے اور وہاں بیٹھ کر اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگ گئے۔ اس نازک وقت پر اس حکم کی تعمیل

اسلام کی انتہائی رواداری کی دلیل ہے۔ قیاس کرو انصار کے لیے وہ نظارہ کس قدر دل شکن ہوگا جب مغلوب دشمن انصار کی اولاد کو فاتحانہ مسرت سے ساتھ لیے جا رہا ہوگا۔ مسلمان خدا کے حکم سے مجبور ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق اُن کی روانگی کو حسرت و یاس کے ساتھ دیکھ رہے ہوں گے۔

ہجرت سے مہاجرین نے بے شک کمال کر دکھایا تھا۔ انصار نے مہمان نوازی میں کم ایثار کا ثبوت نہ دیا۔ زندگی میں تو وارث کو شریکِ جائداد کرنا کسی دنیادار کو پوچھو۔ کتنا مشکل ہے لیکن یہ مشکل امر صرف انصارِ مدینہ نے آسان کر دکھایا۔ کامل چار برس ہوئے جنگ کی مصیبت اور ہر وقت کا خطرہ موجود ہے۔ مگر ایسے ناساعد حالات میں کسی میزبان کا کبھی ماتھے پر شکن نہ ڈالنا۔ اندازہ لگاؤ کیسی وسعتِ قلب کا ثبوت ہے۔ اب جب کہ قسمت نے کسی قدر خوشگوار پلٹا کھایا۔ اور مسلمانوں کے اقبال کا ستارہ چمکا تو انصار نے اور بھی ایثار کا مظاہرہ کیا۔ کون نہیں جانتا کہ ہر جنگ میں انصار نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اب جب کہ بنو نضیر کی وسیع جائداد کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔ تو آں حضرت نے انصار کو یوں کہا۔ کہ دیکھو اگر تم چاہو تو بنو نضیر کا مال املاک باہم تقسیم کر لو۔ اور اگر اجازت دو تو خانماں برباد مہاجرین کو سونپ دوں تاکہ ہم سبکدوش ہو جاؤ اور اپنے گھر کا بوجھ خود اُٹھائیں۔ تم نے سنا حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ نے انصار کی طرف سے کیا جواب دیا۔ کہا کہ اے خدا کے رسول یہ مال و

دولت ہمارے غریب الوطن بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے اور ہمیں حسب دستور سابق ہمارے ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے۔ اِس جواب پر روحیں جھوم گئی ہوں گی فرشتوں نے خدا کی حمد کا ترانہ گایا ہوگا شیطان سر تھام کر بیٹھ گیا ہوگا۔ ایسے ایثار پیشہ مسلمان کس خاک میں چادر اوڑھ کر سو گئے۔ اب تو جس کو دیکھو اپنے بھائی کا حق دبانے کی فکر میں ہے۔

۵ھ غزوہ مریسیع

اہل عرب نے جب دیکھا کہ نور و نکہت کا سیلاب مدینہ سے نکل کر ہر طرف پھیلنے لگا۔ تو ان کے حواس پریشان ہو گئے اور دشمنی پر چھپی برتی نظر آئیں۔ بعض قبائل نے اسلام کے خلاف علیحدہ علیحدہ اقدام کیا۔ اور منہ کی کھائی۔ آں حضرت سے زیادہ ہوشیار جرنیل کون تھا جس کی نقل و حرکت ان پر آئینہ تھی۔ جو بنی مصطلق کے رئیس حارث نے سر اٹھایا آپ نے صحابہ کو ہتھیار باندھنے کا حکم دیا معمولی حرب و ضرب کے بعد دشمن کی جمعیت پریشان ہوگئی۔ حارث کی بیٹی گرفتار ہوئی جس نے آں حضرت صلعم سے شادی کی درخواست کی۔ آپ نے حارث اور بنی مصطلق کی تالیف کے لیے درخواست قبول کر لی۔ اس ناطہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سب اسیر رہا ہوئے اور ان میں سے اکثر اسلام لائے۔

خدا کے برگزیدہ بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر جسمانی یا روحانی تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ ان میں قضا و قدر نے امت کے لیے

ہزاروں عبرتیں پوشیدہ رکھی تھیں۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کی شکست آنے
والی وحش ناشناس نسلوں کے لیے کس قدر عبرت آفریں ہے۔ غزوۂ
مریسیع کی واپسی پر ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جو سینکڑوں عبرتوں کا حامل
ہے۔ غزوہ سے واپسی کا حکم ہو چکا تھا۔ حضرت عائشہؓ جو جنگ میں حضور
کے ہمراہ تھیں رفع حاجت کے لیے اونٹ سے اُتریں دوسرے
کوچ کی تیاری کر دی۔ پڑتال کے بغیر رختِ سفر باندھ کر سب چل دیئے
حضرت عائشہ کے رہ جانے کا کسی کو گماں بھی نہ گذرا۔ ام المومنین فوراً
کا نشاں نہ پاکر حیراں ہوئیں۔ اتفاق سے قافلہ اسلامی کا ایک رکن صفوان
جو ہمیشہ قافلہ کے پیچھے پیچھے رہا کرتا تھا۔ تاکہ قافلہ والوں کی گری پڑی
چیزیں سنبھال سکے۔ وہاں پہنچا۔ وہ حضرت عائشہ کو ہمراہ لے کر مدینہ میں
پہنچا ناموسِ اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ بہانہ آگیا۔ عبداللہ ابن ابی نے
اس واقعہ کو خوب اُچھالا۔ آں حضرت صلعم نے ایک عرصہ منافقوں کی
زباں درازی سے صدمے اُٹھائے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ایک آیت سے
حضرت عائشہ کی برات کی۔ مسلمانوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔

رسول کے نام لیوا مسلمانو! کسی بی بی بہن پر اتہام لگانے سے
بچا جائے اپنے ہاتھوں سے اپنی زبان کاٹ لو۔ تاکہ دوزخ کی آگ سے
بچاؤ ہو سکے۔ اور جو کسی وجہ سے پاکباز بیبیوں کی رسوائی کا باعث ہوتا
ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچانے والوں کی پیروی کرتا
انھی کی جائے قیام کے قریب اپنا گھر بناتا ہے۔ حضرت عائشہ کے حق

میں آیت اُترے سے پہلے جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انگاروں پر لوٹنا پڑا۔ اس کے بیاں سے اس کا تصور بہتر ہے۔ اے افترا پرداز لوگو امت کی ہر بی بی حضرت عائشہ صدیقہ کی اولاد ہے۔ ان موتیوں کی بے آبروئی میں لطف حاصل نہ کرو اور ان زبان درازوں کی حوصلہ افزائی نہ کرو جو جا نشینوں کے خلاف افواہیں اُڑاتے ہیں۔ ایک کے اس واقعہ میں عبرت کی دنیا پوشیدہ ہے اور سبق آموزی کے ہزاروں ساماں ہیں۔ قضا و قدر کا اشارہ یہ ہے کہ عورت کی آبرو کے معاملہ میں ہوس محتاط رہیں۔ خُدا کے پیاروں کے جسم و حال پر قدرت مسلسل جراحی کرتی ہے تاکہ طالبانِ جنت پر مسائلِ حیات اور معاملات زندگی آسانی سے آشکار ہو جائیں اور ان کی واردات سے سبق سیکھیں۔ عمل سے عاری مسلماں کو کیا کہا جائے۔ جو حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی مسلسل کاوشوں اور صدموں میں بھی اپنے لیے کوئی عبرت نہیں پا سکتے۔ حلقۂ احباب میں بیٹھ کر خوش طبعی اور آرائش محفل کے لیے یاکباز عورتوں کی عصمت پر افترا باندھتے ہیں۔ یاد رکھو ایسے لوگ اپنے پاؤں سے چل کر خود دوزخ میں جاتے ہیں۔

محمدؐ ابنِ عبداللہ اور عبداللہ ابنِ ابی

جنگ کی آزمائشوں میں سے کامیاب گذرنا آساں ہے۔ دولتِ دنیا کو دین پر قرباں کرنا سہل ہے مگر منافقوں سے نباہ کرنا اور ان کی ہزار

شر انگیزیوں کے باوجود ایک دفعہ بھی اُس سے تعرض نہ کرنا آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حوصلہ تھا۔ سانپ کے سامنے دودھ رکھ کر ہٹ
جانا ممکن ہے مگر مارِ آستین منافق کو پالنا پیغمبری ہے۔ دیکھو محمد ابن عبد
اللہ اور عبد اللہ ابن ابی میں خلوص و نفاق کا معرکہ جاری ہے ابن ابی
آتش خاموش ہے۔ ابن عبد اللہ دامن عافیت ہے اس تماشا گاہ عالم
میں کسی نے یہ کھیل کب دیکھا تھا کہ دامن کرم آتش سوزاں کو پناہ دے۔
رسولؐ کے کمالِ اخلاق نے دنیا کو یہ تماشا کامیابی سے دکھایا ابن ابی
مسلمان ہو کر عمر بھر مسلمانوں کو خاک میں ملانے کے منصوبے کرتا ہے۔
مگر پاک سرشت پیغمبر کے شیشۂ دل پر غبار نہیں آتا۔ وہ آتش فساد بھڑکاتا
ہے یہ رحمت و کرم کی بارش برساتے ہیں۔ پیغمبر کے صبر کو دیکھ کر صحابہؓ
بے صبر ہو جاتے ہیں تو بھی آں حضرت تحمل کی تلقین فرماتے ہیں عبد اللہ
ابن ابی کبھی مکہ سے مصیبت کی آندھی اٹھا لاتا ہے۔ اور خود تاریکی میں سایہ
کی طرح جُدا ہو جاتا ہے۔ کبھی امہاتؓ پر اتہام لگا کر رسالت مآب کے گھر
اطمینان کی جنت کو دوزخ بنانے کی سعی کرتا ہے لیکن آں حضرت گرم
مزاجی کا مظاہرہ نہیں فرماتے۔ وہ کبھی اس قبیلہ کو کبھی اُس قبیلہ کو اکساتا
ہے مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتھے پر شکن نہیں پاتا۔ آخر
وہ جنگِ احزاب میں قبیلوں کے لشکر چڑھا لاتا ہے۔ آں حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم ان کھلے دشمنوں کا خندقوں میں چھپ کر مقابلہ کرتے ہیں۔
مگر اس چھپے دشمن کو علانیہ نہیں ٹوکتے۔ اصحاب اس شرانگیز کو موت کے

گھاٹ اُتارنے کی اجازت مانگتے ہیں۔ حلم و عفو کے پتلے نے کہا دوستو! دنیا کہے گی محمد نے ایک ساتھی کو قتل کر دیا۔ مخلص بیٹا منافق باپ عبد اللہ بن ابی کے قتل کی اجازت چاہتا ہے لیکن اس کی اجازت نہ پاکر واپس لوٹ جاتا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کے ہاتھوں سینکڑوں مغروروں کے سر دشمنی کی خاک میں مل گئے۔ عبد اللہ بن ابی کی گوشمالی کچھ زیادہ قیاس چیز نہ تھی لیکن یہاں اُمت میں یہ سنت جاری کرنا مقصود تھی کہ جو لفظاً ہر اسلام کے دامن میں پناہ لے اُس پر کوئی انگلی نہ اُٹھائے۔ آں حضرت صلعم ہر چند فتنہ سامان منافقوں کی فساد انگیزیوں سے تنگ تھے لیکن کبھی نام لے کر حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے تھے جس طرح نسیم صبح کانٹوں اور پھولوں میں سے یکساں گذر رہی ہے۔ اسی طرح آں حضرت صلعم مومنین اور منافقین میں گذر اوقات کرتے تھے۔ کیا مجال کہ کبھی کسی کا نام لے کر کسی کو فہمائش کی ہو۔ کبھی اشد ضرورت داعی ہوئی تو فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ایسا کہتے اور کرتے ہیں۔ یا کبھی اشاروں سے نصیحت ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ باوجود اس حکم کے منافق شکر چڑھا زہر بنے رہے۔ آپ نے ان کے اعمال کی حقیقت کو کبھی واشگاف بیان نہ فرمایا۔ لیکن باوجود اس کمالِ عفو اور درگذر کے یاد رہے کہ منافقوں کی مضرت رساں چالیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوررس نظر سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔ منافق جتنا کاٹتے تھے مسلمان اُس کی رفو گری بناتے تھے منافقین کی تدبیر کو مومنین کی فراست کے مقابلہ میں ہمیشہ ہتھیار ڈالنے پڑے

بھلا وہ مومن ہی کیا جو مکر کے پھندے میں مکرر پھنس جائے۔ اور ایک سوراخ سے دوبارہ ڈسا جائے۔ عبداللہ ابی ہر چند بڑا ترکیبیا تھا مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حزم واحتیاط اور تدبر کے سامنے سب ترکیبیں دھری رہ گئیں ایسی ہر چال میں مات کھا کر منافقوں کا رئیس آخر موت کی گھڑیاں گننے لگا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج اور اپنے زوال کے غم میں گھل گھل کر جان پروردگار جہاں کے سپرد کی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبا اس پر اوڑھائی۔ جو قبر میں اتارا اور دعائے دعا کی دیا ہے اس نظارہ کو دیکھ کر کہا کہ حلم دعوے نفاق اور حسد کو خاک میں ملا دیا۔

غزوۂ خندق

فتح مشکل پسند ہے۔ ناکامی راحت طلبی کا نام۔ خدا کے رسول پر تکلیفوں کا ہجوم رہا۔ لیکن انہی مصیبتوں کے بادل سے اس کے اقبال کا آفتابِ تابندہ نکلا بنو نضیر نے خیبر میں آباد ہو کر مسلمانوں کی بربادی کے مشورے کیے۔ جو ڈکر ہمت کس کر تدبیر کے گھوڑے دوڑانے شروع کیے۔ اسلام کی سلامتی کو خطرہ کا بیتں خیمہ ظاہر کر کے قبائل کے تعصب کو برانگیختہ کیا۔ آخر بنو نضیر کا اُٹھایا ہوا فتنہ بڑھ کر قیامت بننے لگا۔ تمام قبائل متحد ہو کر مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے تیار ہوئے عاقبت اندیش پیغمبر کی نگاہِ دور بیں نے اس طوفان کو دیکھا۔ مسلمانوں

کو جمع کرکے خطرہ کی طرف اشارہ کیا۔ سلمان فارسی نے عجمی طریقہ جنگ
کے مطابق خندق کھود کر محفوظ ہونے کا مشورہ دیا۔ تاکہ دشمن اگر پار اتر آئے
تو زندہ نہ جائے۔ حضرت سلمان فارسی کی تدبیر اسلام کی فتح کا ذریعہ بن گئی
ورنہ چوبیس ہزار کیل کانٹے سے لیس دشمنوں سے تین ہزار بے سروسامان
مسلمانوں کا کیا مقابلہ تھا۔ دیکھو دشمن قبائل کے سردار لاؤ لشکر لیے منزلیں
طے کرتے مدینہ کی طرف بڑھ رہے ہیں لڑائی سے پہلے ہی فتح کے نشہ
میں جھوم رہے ہیں۔ ادھر خدا کی حمد و تقدیس بیاں کرنے والے مومن پیٹ
پر پتھر باندھ کر مٹی میں اٹے ہوئے خندق کھود رہے ہیں۔ وہ پیغمبر جس کا
ذکر آسماں پر ہے زمین پر ایک بے کس مزدور کی طرح مٹی کھود کھود کر
خندق کے باہر پھینک رہا ہے۔ نبی اور امتی میں کوئی پہچان نہیں خاکساروں
کی یہ جماعت سر سے پاؤں تک گرد و غبار کے لباس میں ملبوس ہے سب
پر تین دن کا فاقہ اس پر یہ محنت شاقہ۔ لیکن صبر و شکر نے اُن کی نظروں
کے سامنے اطمینان کی جنت کھول رکھی ہے اور وہ کامل سکوں سے باہم
مل کر یہ شعر پڑھتے ہیں۔

نحن الذی بایعوا محمداً — ہم نے محمد کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لیے اسلام
علی الاسلام ما بقینا ابداً — کی بیعت کی ہوئی ہے۔

دنیا میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہو سکتا تھا کہ
لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ شرف و شعور کے لحاظ سے کوئی انسان
اس کے ہم پلہ پیدا ہوا ہے؟ حرب و ضرب میں کون اُن کی ٹکر کا ہے جدق

کھودتے ایک چٹان حائل نظر آتی ہے۔ صحابہؓ ایک ایک کرکے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں آخر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کی ہمت کسی شکست کو قبول نہیں کرتی۔ آگے بڑھتے ہیں باوجود مسلسل فاقہ کے اپنے آہنی ارادہ سے پتھر کو توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ آخر مجاہدین کے گروہ نے جن کی جان میں نیکی کا نور لہرا رہا تھا کام کو انجام تک پہنچایا۔ اگرچہ محنت اور فاقہ سے اُن کے چہرے کملائے ہوئے تھے لیکن ان میں جس سرمدی کی مقدس لطافتیں جھلک رہی تھیں خندق کی کھدائی ختم ہوئی ہی تھی کہ جنگ کا آغاز ہوگیا۔ منافقین نے مومنین سے یہ کہہ کر کنارہ کیا کہ ان کے گھر غیر محفوظ ہیں۔ بنو قریظہ نے بھی عین وقت پر مشکوک روش اختیار کی۔ آں حضرتؐ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو ان مغلی گھونسلوں کے پاس سفیر بنا کر بھیجا کہ دیکھو قول ہارو۔ یہود نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے کہ محمد کون ہے اور قول کیا ہے۔ اور انکار کیا ہے۔ ادھر دشمن کا ذرہ اُدھر حلیفوں سے مایوسی ناچار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا۔ کہ مدینہ کی پیداوار کی ایک تہائی اُن کو دی جائے۔

جنگی کونسل طلب ہوئی۔ انصار کے سردار سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے مداخلت کرکے پوچھا۔ کہ یہ حضور کی رائے ہے یا خدا کا حکم۔ آخری صورت میں تو سرتابی کی تاب نہیں۔ البتہ مشورہ کی صورت میں ہماری رائے یہ ہے کہ ہم نے کفر کی حالت میں کسی کو خراج نہیں دیا۔ اسلام کے سلام

الہی کے باج گذار کیسے بن سکتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس
ر ۔ ال استقلال کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ دین کے دشمنوں کو کہا گیا
دکھاؤ جوش آئے کر دکھاؤ۔

دشمن کی حوصلہ مندیاں رزم آرائی کے لیے بے تاب تھیں۔ وہ
کثرت تعداد کے بل بوتے پر سیلاب کی طرح اُمڈے چلے آتے تھے۔
مسلمانوں کو صبر سمجھنے والوں نے جب سامنے خندق کھدی دیکھی تو حیرانی
سے حدق کی طرح مُنہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ مسلمانوں کے اس اسلوبِ جنگ
کا جواب نہ بن آیا۔ ناچار محاصرہ کیا۔ دور سے تیروں کا مینہ برسانے لگے۔
ادھر محاصرہ کی شدت اور رسد کی قلت ستم ڈھا رہی تھی۔ ادھر بنو قریظہ کا خطرہ
تھا۔ تاہم مسلمان صبر و استقلال سے خم ٹھونک کے کھڑے تھے۔ بنی قریظہ کی
دست درازیوں کے احتمال سے عورتوں کو قلعہ میں بھیج دیا گیا۔ جو اللہ کے
بھروسے پر ٹڈی دل قبائل کا مقابلہ کرنے کے لیے یکسو ہو گئے ایک جگہ
سے خندق کا پاٹ کم تھا۔ یہی مقام حملہ کا مرکز ٹھہرا۔ دشمن نے جان توڑ
کوشش کی۔ قبائل الگ الگ اور مل کر حملہ آور ہوئے۔ مگر اُن کی ہر یورش
رد ہو پڑی اور وہ خندق عبور نہ کر سکے۔ اگر وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہو
جاتے اور خندق عبور کر آتے تو مسلمانوں کا قلع قمع مشکل نہ تھا۔ مسلمانوں پر
بیم و رجا کی کیفیت کا اندازہ اسی ایک امر سے ہو سکتا ہے کہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لڑائی میں متصل چار نمازیں قضا ہوئیں۔
نماز عبادت ہے اور جہاد فرض۔ ادائے فرض کے لیے عبادت کا ترک

معیوب نہیں ۔ ازل کی جلوہ پاشیوں سے لطف اندوزی کار ہے۔ نور وضیا کی دلفریب وادی سے نکل کر فرض کی خار دار گھاٹیوں میں آنا جہاد ہے۔ میں نماز کی قدر کم نہیں کرتا بلکہ حق یہ ہے کہ جہاد کو نماز پر فضیلت ہے لیکن اب تو نماز میں پڑھ کر ملی فرائض سے مسلمان سبکدوش ہو جاتا ہے قوم کے حفظ و بقا کے لیے جد و جہد گویا مسلماں کے وظیفہ جات میں داخل ہی نہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ احزاب میں مصروفِ جہاد رہنے کے بجائے مشغولِ نماز ہو جاتے تو حفظ و بقا کی تدبیر میں جو جرنیل کا مقدس فرض ہے غفلت ہو جاتی۔ ناکام لیڈر اور شکست خوردہ جرنیل دنیا کا بدترین انسان ہے۔ وہ سوءِ تدبیر سے نسلوں کو فنا کرتا ہے۔ ملک کی بے شمار بدقسمتیوں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ سپاہی اور جرنیل لیڈر کی تدبیر سے قوم کی قسمت ہمیشہ وابستہ ہوتی ہے۔

دیکھو وہ کشور کشا قلبِ لشکر میں کھڑا فوج کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس کی دور رس نظر دشمن کے کل اور جزو کو دیکھتی ہے۔ مخالف جدھر دباؤ ڈالتا ہے۔ ادھر سے وہیں رد ڈالا جاتا ہے۔ تاہم عام حملہ میں ضرار۔ حبیرہ۔ نوفل۔ عمرو بن عبدوُد عرب کے نامور سرداروں نے گھوڑوں کو مہمیز کیا۔ اور خندق کے اس پار آ گئے۔ عمرو بن عبدود ۹۰ برس کی عمر میں بھی لوہے کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ اور بڑھاپے میں جوانوں کو خاطر میں نہ لانے والا۔ اس نے دستورِ حرب کے مطابق مقابلے کے لیے پکارا۔ مسلمانوں میں اس کے مقابلے کی ٹکر کا کون تھا۔ ہر طرف سناٹا

ہوگیا۔ علمبردار علیؓ جس کی بے پناہ تلوار سے کوئی بچ نہ سکا اُٹھے حضورؐ نے فرمایا علی یہ عمرو ہے۔ علیؓ نے عرض کی میں جانتا ہوں۔

کسی کو امید نہ تھی کہ دست بدست لڑائی میں کوئی عمرو کے منہ آئے گا علیؓ پیدل تھے اور عمرو سوار۔ بہادر کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ اس لیے گھوڑے سے اُتر کر زمین پر آ گیا۔ بوڑھا اور جواں دونوں ڈھال اور تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔ علیؓ آج تک ہارا تھا۔ نہ عمرو کو کسی نے بچھاڑا تھا۔ ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ تنومند بوڑھے نے اس بے جگری سے حضرت علیؓ پر حملہ کیا کہ تلوار سپر سے ڈوب کر علیؓ کی پیشانی پر لگی۔ اگرچہ زخم کاری نہ تھا۔ مگر خون کا دھارا بہ نکلا۔ حالی ہمت علیؓ سراسیمہ نہ ہوئے بلکہ رحمی شیر کی طرح حملہ کیا۔ تلوار عمرو کا شانہ کاٹ کر نیچے اُتری۔ عمرو اُف کہہ گرا۔ علیؓ نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ مسلمان فتح کی خوشی میں اُچھلے۔ کفار کے ہاں پٹس پڑ گئی۔ عمرو کے بعد کس کی ہمت تھی کہ ٹھہر سکتا۔ پھر دشمن کو خندق پار آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اب اس امید پر ڈیرے ڈال کر پڑ گئے۔ کہ محاصرہ کا طول محصورین کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دے گا۔ لیکن خدا کی مہربانی یہ ہوئی کہ ہوا کی تیزی نے طوفان کی صورت اختیار کی جس سے اُکھڑ گئے فوج میں افراتفری مچ گئی۔ باد و باراں میں دشمن کو خدائی ہاتھ چھپا دکھائی دیا۔ تو میرے میں تیرے آگئے بھاگا۔ مطلع صاف ہوتے ہی میدان بھی صاف ہوگیا۔ ہرچند مستورات کے لیے محفوظ مقام کا اہتمام تھا مگر بنی قریظہ نے عورتوں پر ہاتھ اُٹھانے کی سعی کی۔ ایک یہودی تو قلعہ کے

قریب آگیا۔ حضرت صفیہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی نے کمال ہمت سے خیمہ کی چوب سے اُس کا سر پھوڑا۔ اور سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دیا۔ اب یہودیوں کو یقین ہوگیا کہ قلعہ میں عورتوں کے ساتھ مرد بھی ہیں۔

احد کی شکست کے بعد جنگ خندق میں کامیابی سے مسلمانوں کی پھر سے دھاک بندھ گئی۔ اسلام پراگندہ حالی سے نکل کر ایک قوت قرار پاگیا سلمان فارسی کی تدبیر اور اس تدبیر کے مطابق پیغمبر کے عمل نے مسلمانوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا۔ عرب کا سردار عجم کے طریقۂ جنگ سے فائدہ نہ اُٹھاتا تو نتیجۂ جنگ مشتبہ ہوتا۔ پیغمبر جو براہِ راست اکتسابِ علم کرتے ہیں امورِ دنیا میں وہ دنیا داروں کے تجربے سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اپنے زمانہ کی ترقیوں سے فائدہ اُٹھانا جب پیغمبر کے لیے بھی معیوب نہیں تو امتی کے لیے تو بدرجۂ اولیٰ فرض ہے۔ جو علم مخالفِ اخلاق نہیں وہ رحمت ہے۔ اُس کا حاصل کرنا نیکی ہے۔ علم کی ترویج میں رکاوٹ پیدا کرنا نامسلمانی ہے۔ نئی ایجاد سے فائدہ اُٹھانا اسلام کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ عرب کے بدوؤں کی طرح، کہ تاکہ ٹیلیفون کو بدعت اور اُس کی آواز کو صوت الشیطان کہہ دیا۔ آلات کو دیں پر گراں لاحول پڑھ کر بھاگ جاؤ اور ملک میں ریل جاری ہو تو فساد کے لوگوں کو مدد کے لیے پکارو اور سب لاٹھیاں لے کر انجن پر پل پڑو۔ تاکہ اونٹ کی طرح مار مار کر اُس کو ملک سے نکال دو مسلمانوں کی شان یہ ہے کہ وہ مرکزِ علم و ہنر اور سرچشمۂ

یعنی وکرم ہو جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سب پیغمبروں کے
فضائل تھے اسی طرح اس کی امت میں اپنے عہد کی خوبیاں موجود ہونا
چاہئیں۔ تاکہ دنیا کی راہنمائی کی تکمیل ہو سکے ۔

عقل کے دشمنوں نے دنیا کے حالات سے بے خبری کا نام نیکی
رکھ دیا اپنے نفع ونقصان اور اپنی قوم کے نفع ونقصان سے غافل وقت
کے ولی کہلانے لگے نیکی اور بھلائی کیا ہے ۔اس کا جواب آں حضرت
کے عمل میں ڈھونڈنا چاہیئے ۔ آپ جونہی جنگِ احزاب سے فارغ ہوئے
بنو قریظہ کو ما پرس کے لیے بلا بھیجا لیکن وہ تو بنو نضیر کے سردار اور اسلام
کے مشہور دشمن ابن اخطب کے بھڑکائے ہوئے تھے ۔ محمد صلعم کے دامن
کرم میں پناہ پانے کو وہ گناہ سمجھنے لگے تھے ۔ اور زبان کے بجائے تلوار سے
فیصلہ چاہتے تھے ۔ آمادہ بہ پیکار ہمسایہ دنیا کی سب سے بڑی مصیبت ہے
پھر کب تک قوم کو اس خطرے اور مصیبت میں ڈالے رکھتے اور سر پہ آئے
خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ بنو قریظہ سر دھڑ کی بازی لگانے کی پوری تیاری
کر چکے ہوں ۔ فوج کو کمریں کھول دینے کا حکم نہ دیا جا سکتا تھا ۔ مجبوراً آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو بنو قریظہ کی قلعہ بندیوں کی طرف بڑھنے کا حکم دیا
انہیں اپنے استحکامات پر بڑا ناز تھا لیکن غرور کب کسی کے کام آیا ہے ۔
۲۵ روز کے محاصرہ کے بعد رسد ختم ہو گئی اور چھٹی کا دودھ یاد آ گیا ۔ صلح
کے ڈورے ڈالنے شروع کیے ۔ بداعتمادی اور غرور کے ملے جلے جذبات
کا نتیجہ تھا ۔ کہ انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنانے کے بجائے

اپنی قسمت کا فیصلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کے سپرد کر دینے پر آمادگی ظاہر کی حضرت سعد بن معاذ ان کے حلیف تھے۔ اِس بنا پر ان سے نرم فیصلہ کی امیدیں لگا کر بیٹھ گئے۔ سعد بن معاذ جنگجو سپاہی تھے۔ سپاہی کے نزدیک جو قیمت اُس کی اپنی جان کی ہے۔ وہی قدر دوسروں کی زندگیوں کی ہے۔ مغلوب ہو گئے تو مرنے کا افسوس نہیں۔ غالب ہوئے تو مار ڈالنے میں تردد نہیں۔ بنو قریظہ کی تقدیر نے اُن کی عقل پر پردہ ڈال دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سعد کو ترجیح دی۔ رحم مجسم کی بجائے جنگجو سپاہی کے ہاتھ میں فیصلہ دیدیا۔ سعد بن معاذ اِسی جنگ میں ایسے زخمی ہو چکے تھے۔ کہ جانبر نہ ہو سکے۔ زخمی شیر نے یہودی شریعت کے مطابق سب کا سر قلم کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ مسلمانوں کی گردنیں اِس فیصلہ کی سختی سے جھک گئیں۔

معترض امعاذ کو مطعون نہ کریں۔ زخمی شیر کے حملے اور جنگجو سپاہی کے فیصلے ایسے ہی بے پناہ ہوتے ہیں۔ معاذ جیسے بے باک سپاہی سے رحم کی امید کرنا اور وہ امید پوری نہ ہونے کی صورت میں اسلام کو ہدفِ ملامت بنانا بے انصافی ہے۔ معاذ کی سیرت کا مطالعہ کرو۔ ایسی آتشیں مزاجی سے مخمور تھے اور صلح کے ارادوں میں بھی پہاڑ کی طرح حائل ہو جاتے تھے اِسی جنگ میں بنو غطفان سے صلح کے راستے کون روک کھڑا ہو گیا تھا پھر اِسی جنگ میں اُن کے زخمی ہونے کے واقعہ پر نظر ڈالو کسی مصروفیت کے باعث معاذ کو جنگ میں پہنچنے سے دیر ہو گئی وہ ہاتھ میں حربہ لیے زرہ بکتر

پہلے بغیر محاذِ جنگ کی طرف بھاگے ہیں۔ بہادر ماں اس دلیری پر بیٹے
کو ملامت کرتی ہے۔ مگر یہ اپنی فطرت میں بے باک ملامت اور ستائش سے
بے پروا میدانِ محاربہ کی طرف بھاگے جا رہے ہیں۔ جنگ کے جوش میں
زرہ بکتر کا بھی خیال نہیں رہا جسم کے بعض حصے تیروں کا نشانہ بننے کے
لیے کھلے ہیں اور اس حالت میں جاں باز سپاہی کی زبان پر یہ جنگی ترانہ ہے۔

لبث قلیلاً تلحق الهیجا حمل	لا بأس بالموت اذا الموت نزل
ذرا ٹھہر جا، کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ لے	جب وقت آگیا تو موت سے کیا ڈر ہے

اسی حالت میں کھلے ہاتھ میں تیر آ لگتا ہے۔ اور اکحل کی رگ کٹ
جاتی ہے۔ یہی زخم موت کا باعث ثابت ہوتا ہے۔ انصاف کرو ایسے شخص
سے ان حالات میں اور کس فیصلہ کی توقع ہو سکتی تھی اور جب کہ ملک کا رواج
قانونِ جنگ بھی یہی تھا۔ غیر معمولی حالات میں غیر معمولی فیصلے کا حق متمدن
قوم میں اب تک محفوظ ہے۔ یورپ کے مسیحی معترض اس واقعہ کو آج تک
اچھال رہے ہیں جب سے کہ اس فیصلہ پر عمل درآمد کیا گیا۔ ۱۴ سو سال گزرے
زمانہ کے اس فیصلہ کا مقابلہ اس دورِ ترقی و تہذیب کے تازہ واقعات سے
کرو۔ دیکھو ہٹلر نے جرمنی میں کیا کیا۔ اپنی ہی اور بے عذر رعایا کو کس طرح
کاٹ کے ڈال دیا۔ برخلاف اس کے معاذ کے اس فیصلہ کے خلاف جس
نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپیل کیا اُس کی جان بخشی کردی
گئی۔ بے شک رحم کی اپیل کرنے والے کم تھے۔ مگر اس میں رحم دل پیغمبر کا
کیا قصور ہے۔ سب بہادر تھے وہ زندگی کے لیے دشمن کے سامنے رحم

کی درخواست اپنی سرشت نفس کے منافی سمجھتے تھے۔ اس مقصد کے لیے درخواست مشکل اور پیمبر کے لیے سرکشوں کو چھوڑنا ناممکن تھا۔ سولنسر کا تلخ سچ یہ عقوبیام سے روکتا تھا۔ بے محل رحم جو اپنی قوم کو خطرے میں ڈال دے گناہ عظیم ہے جو ر ظلم کا رواں پر رحم ہے۔

خالق نے عورت کا خمیر محبت سے اٹھایا ہے۔ محبت ہی اس کی کل کائنات ہے اس لیے گرے پڑے کی امداد، بیمار کی تیمارداری، زخمیوں کی مرہم پٹی اس کا وظیفہ حیات ہے۔ فطرت شناس پیمبر نے بی بی رفیدہ کو زخمیوں کی دیکھ بھال کی اجازت دے رکھی تھی۔ مسجد نبوی میں اس خاتون کا خیمہ تھا۔ حضرت سعد کا علاج اسی خاتون کے سپرد تھا۔ لوگ کہتے ہیں۔ زمانہ آگے بڑھ رہا ہے مسلمان کی نظروں میں پیچھے ہٹ رہا ہے کاش وہ اس طور سے پیچھے ہٹے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی رسم و رسوم ہم میں جاری ہو جائیں۔ ہماری عجمی غیرت نے عورت کو چھوئی موئی بنا رکھا ہے۔ اسے اسلامی روایات کے مطابق مناسب آزادی ملے اور وہ اپنے فرائض کو کماحقہ انجام دینے کے قابل ہو جائے۔ کون مقدر لئے مذہب ہے۔ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح روا داری دکھائے اور ہندو بیٹیوں کو اتنی تعلیم دلائے کہ وہ امن کے وقت عورتوں اور بچوں کا علاج و تیمار داری کر سکیں۔ اور جنگ میں زخمیوں کو سنبھال سکیں۔

یادِ وطن

وطن سے دوری اور محبوب کی مہجوری نے کس کو ماہیِ بے آب نہ
کیا اولاد اور وطن کے لیے خوبصورتی اور توانائی شرط نہیں۔ ماں تا حسن و
جمال کی پابند نہیں نہ حبِ وطن مناظر کی دلکشی کی رہینِ منت ہے وطن پیارا
ہے خواہ وہاں بالو کا سمندر ہو۔ اولاد عزیز ہے خواہ دوسروں کی نظروں میں کریہہ منظر ہو۔
ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا
تو وطنِ عزیز کی یاد نے دل کو ہزار جلووں کی جنت نگاہ بنا دیا۔ مدینہ میں بیٹھے
آنکھوں کے سامنے بہشت کی گلزار سے جمیل تر گلستاں کا تصور آتا ہے۔
آہ پیارا وطن عزیز وطن اسی کے تصور میں پہروں بیٹھے ہیں۔ جہاں پو
پھٹتے ہی کارواں روانہ ہونے لگتا ہے۔ اونٹوں کی گردن کی گھنٹیاں بجتی
ہیں صبح کے سکوت میں اُن کی میٹھی آوازیں ایسی دلکش معلوم ہوتی ہیں
گویا دشت و ریگ کے ستاروں کی آبادی میں معبد ہیں فرشتے معبد میں جمع ہو کر
خدا کی حمد شروع کرنے سے پہلے طلائی گھنٹیوں کو بجا بجا کر اپنی خفتہ عقیدت
کو بیدار کر رہے ہیں۔ نور کے تڑکے نسیمِ صبح خوشبوؤں سے مہکی ہوئی آتی
ہے ساری فضا اس کی گدگدی سے مسکراتی ہے۔ یثرب کی رنگین صبح
زریں قبا اوڑھے کھڑی ہے شبنم کے قطرے پھولوں کو الوداع کہہ رہے ہیں
درختِ شاداب کی مستی میں جھوم رہے ہیں مسلمان مدینے میں بیٹھے

دیس کی یاد میں کس حسرت سے پکار اٹھتا ہے۔

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة
بواد وحولی اذخر وجلیل

آہ کیا پھر کبھی وہ دن آسکتا ہے کہ میں مکہ کی وادی میں ایک رات بسر کروں اور میرے پاس اذخر اور جلیل ہوں۔

وهل اردن یوما میاہ مجنة
وهل یبدون لی شامة وطفیل

اور کیا وہ دن بھی ہوگا کہ میں مجنہ کے چشمہ پر اتروں اور شامہ و طفیل مجھ کو دکھائی دیں۔

یہ واقعات کو جذبات کی رو میں بہا نا نہیں جاننا حقیقتِ حال یہی تھی۔ وطن عزیز جس کے تصورات نے مسلمانوں کے دماغ کے ہر گوشہ کو رشکِ صد گلزار بنا رکھا تھا۔ حضرت کا قول ہے کہ دل وجان کو مضطرب کرنے والی یہ تحریک من جانب اللہ تھی تاکہ مسلمانوں پر نئے باب وا کرنے کے سامان کیے جائیں۔

صلح حدیبیہ

وطن عزیز کی کشش کے علاوہ فریضہ حج ادا کرنے کے خیال سے سردارِ عرب و عجم نے ۶ برس کے بعد باگیں مکہ کی طرف پھیریں اس نورانی قافلہ سالار کے ساتھ اہل ایماں کا قافلہ روانہ ہوا۔ عورت، مرد، بچے اور بوڑھے ساتھ تھے۔ سادا اہل مکہ کو حملہ کا صدمہ گذرے۔ بجز تلوار کے اور ہتھیار لے جانے کی اجازت نہ دی۔ صرف قربانی کے اونٹ ہمراہ لیے اور احرام باندھ کر چل دیے۔ مہاجرین وطن کی محبت کے نشہ میں سرشار تھے۔

پاؤں لڑکھڑانے کے بجائے ان کے دماغ بیکار ہو رہے تھے۔ اتنے میں مخبر نے خبر دی کہ اہل قریش دوسرے قبائل کو برانگیختہ کر کے مقابلہ کو آ ماجا ہتے ہیں۔ بڑھنے میں خطرہ ہے۔ لوٹ جانے میں سلامتی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ کاٹ کے جانا چاہا لیکن دشمن کو علم ہوگیا۔ سیر کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے آخر حضرت عثمان کو ایلچی بنا کر بھیجا۔ تاکہ اہل قریش کو صلح کی طرف مائل کریں۔ وہ اپنے ایک عزیز کی معیت میں مکہ گئے۔ قریش نے صلح کی بات سننے کے بجائے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر لیا۔ رائی کا پربت ما یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔ یہ سن کر مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا صلح پسند پیغمبر مضطرب ہو کر ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور حالات کی مجبوری سے جاں نثاری کی بیعت لینا شروع کی۔ اسلام میں یہ بیعت بیعۃ الرضوان کے نام سے مشہور ہے اس میں عورتوں نے بھی فیصلہ کن جنگ کا عہد کیا۔ جنگ میں عورتوں کی شمولیت اسلام میں ممنوع نہیں۔ کیونکہ عصمت کی حفاظت تو صرف فتح کی صورت میں ہی ممکن ہے شکست خوردہ قوم کی عورت کی عصمت بے بہا کی کوڑی ہو جاتی ہے۔

بعد میں شہادت کی خبر غلط ثابت ہوئی کیونکہ قریش نے سہل بن عمرو کو شرائط صلح طے کرنے کے لیے بھیج دیا سہل بڑا ریاں آور اور ہوشمند شخص تھا۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح پسند طبیعت سے واقف تھا۔ اس لیے بات بات پر اڑ جاتا۔ اور اپنی سی منواتا تھا معاہدہ عقلمند

بنے لگا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر اڑ گیا۔ کہ یہ نہ لکھو۔ عرب کے
قدیم دستور کے مطابق باسمک اللھم لکھو۔ آپ نے منظور فرمایا۔ پھر
کہا گیا کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ کی طرف سے ہے سہیل نے کہا کہ اگر
ہم آپ کو پیغمبر تسلیم کرتے تو جھگڑا کیوں کرتے۔ صرف اپنا اور اپنے والد
کا نام لکھو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی مان لیا۔ لیکن حضرت
علی سے جابر عقیدت اپنے ہاتھ سے یہ لفظ کاٹنا گوارا نہ کیا۔ تاہم
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دیے تاکہ
لفظی تکرار باہمی جنگ کا باعث نہ ہو۔

بروئے معاہدہ قرار پایا کہ مسلمان واپس چلے جائیں اور اگلے سال
آئیں تو مکہ میں صرف تین دن قیام کریں۔ تلواریں میان میں رہیں۔ اور
یاں تلبان میں ہوں جو سامان مکہ میں مقیم ہو وہ ساتھ نہ جا سکے جو مسلمان
مکہ میں رہنا چاہے اُسے روکا جائے۔ جو مسلمان بھاگ کر مدینہ میں جائے
اسے واپس کر دیا جائے۔ مگر جو مسلمان مکہ میں آئے اُسے واپس نہ کیا
جائے گا۔ قبائل عرب پر پابندی نہیں۔ جو جس سے چاہے معاہدہ کرے۔
ابھی معاہدہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا تھا کہ سہیل کا بیٹا ابو جندل مسلمان
ہو چکا تھا مکہ سے پابہ زنجیر بھاگا کہ مسلمانوں میں پناہ پانے کے لیے آیا۔
قریش کے ہاتھوں جسم زخمی جان نڈھال پیغمبر کے سامنے گر گیا۔ سہیل نے
کہا محمد صلح کی تعمیل کا پہلا موقع ہے۔ شرائط صلح کے مطابق اسے واپس
کرو۔ حضور نے فرمایا معاہدہ ابھی نامکمل ہے سہیل نے کہا تو ہمیں صلح منظور

نہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھا اسے بھی لئے جاؤ۔
ابوجندل نے اپنا زخمی بدن ننگا کر کے دکھایا اور درد و غم سے بے تاب
ہو کر پکارا مسلمانو مجھے اس حال میں کافروں کے پاس لوٹا دینا چاہتے ہو۔
عجب نازک موقعہ تھا مسلمانوں کا خون کھولنے لگا یقینہ سے آگ نکلنے لگی گویا ہو
تاہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ٹھنڈا کیا۔ کیونکہ وہ بہر حال
ایفائے عہد کرنا چاہتے تھے۔ اسلاموں میں شکست کی سی بے دلی پھیل
گئی۔ آرزووں نے شوق وطن کی جو جنت آنکھوں کے سامنے کھول رکھی
تھی وہ سرابیدہ گلزار کی طرح بے بہار ہو گئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ابوجندل کو مخاطب کر کے کہا۔ ابوجندل صبر و تحمل سے کام لو۔ خدا
تمہارے لئے اور مظلوموں کے لیے کوئی راہ نکالے گا صلح ہو چکی۔ اب
بد عہدی نہیں ہو سکتی۔ کتنے تجربے سے پر رکھ کر یہ بات کہی گئی ہوگی۔ ایفائے
عہد کی ایسی پاسداری ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ دیکھو آرزووں کو سینوں
میں دبا کر سرافگندہ مسلمان مدینہ کو لوٹ رہے ہیں۔ وحی جس کے لب پر معجزہ
ہے راستہ میں خدا کے حکم سے خوشخبری دیتا ہے کہ یہ صلح فتح مبین ہے
اگرچہ دل بجھے ہوئے تھے اور حالات اس کے موافق نہ تھے تاہم مسلمانوں
نے طفلانہ اعتماد سے اس بشارت کو قبول کیا اور مدینہ میں آکر اپنے کاروبار
اور دین کی نشر و اشاعت میں لگ گئے۔

احزاب کی فتح اور حدیبیہ کی صلح نے اسلام پر تمام تبلیغ کے دروازے
کھول دیئے۔ اب مرکز انوار نے فیصلہ کیا کہ اس خدائی پیغام یعنی اسلام کو چار دانگ

عالم میں پھیلایا جائے۔ بارہ تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس سے
مذہب کی تاریخ میں انقلاب آگیا۔ اور انسانی ترقی کے انتہائی مدارج کی طرف
صاف اشارہ کر دیا گیا۔ اس خطبہ کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ میں تمام دنیا کے لیے
رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو
یہ وہ انوکھا دعویٰ تھا۔ جو آج تک کسی مذہب کے بانی نے نہ کیا۔ آج
تک جتنے پیغمبر آئے وہ خاص ملک اور قوم کے لیے آئے۔ مگر یہ
ہمہ گیر اور عالمگیر دعوے صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس
خطبہ کی تشریح ایک الگ باب کی محتاج ہے۔ ختم نبوت کے مستقل باب
میں اس کی توضیح کر دی گئی ہے۔

دیکھو شمع نبوت سے روشنی لے کر چند آدمی دنیا کو منور کرنے نکلے۔
قیصر روم، خسرو ایران، والی مصر، شاہ حبش، رؤسائے یمامہ، رئیس شام
حارث غسانی کو آخری ہی کا پیغام دیا۔ کہ اسلام ہی سلامتی کا مذہب ہے۔
اس کی طرف آؤ اور دارین کی فلاح پاؤ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
ایلچیوں سے مختلف مقامات پر مختلف سلوک ہوا۔ شاہ حبش نے اسلام
قبول کیا۔ مصر کا حاکم مقوقس تلطف سے پیش آیا۔ قیصر نے حسن توجہ سے
شاہ کج کلاہ ایران غرور سے پیش آیا۔ حاکم غسان نے آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے سفیر کو شہید کر دیا۔ تاہم اس امن کی تھوڑی مدت میں اسلام کا
گل پھولنے پھلنے لگا۔ کفار اہل اسلام کے اعلیٰ کیریکٹر سے متاثر ہونے لگے
حتیٰ کہ غیر مفتوح خالد بن ولید اور فاتح مصر عمرو بن العاص حلقہ بگوش اسلام

ہو گئے۔ علاوہ ازیں مکہ کے ستائے ہوئے مسلمانوں نے جو بروئے معاہدہ مدینہ میں نہ آسکتے تھے بھاگ بھاگ کر سمندر کے کنارے مقام عیص پر جمع ہونا شروع کیا۔ اب ان ستم رسیدہ لوگوں نے یہ قوت حاصل کر لی کہ قریش کے تجارتی قافلے خطرے میں پڑ گئے۔ آخر قریش نے حالات سے تنگ آکر خود معاہدہ کی آخری شرط کو ساقط کر دینے کا اعلان کر دیا۔

ابوجندل کا پابہ زنجیر واپس لوٹنا کیسا دردانگیز تھا۔ بحالات موجودہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک کس قدر حوصلہ شکن معلوم ہوتا تھا۔ اگر اسلام کی خوبی کا دل قائل نہ ہوتا تو شاید یہ سلوک اسے پیغمبر اسلام سے بدظن کر دیتا۔ مگر ہدایت یافتہ ابوجندل۔ زنجیروں میں جکڑا اور مدینہ میں پڑا بھی اللہ کی توحید بیان کرتا رہا۔ قیدی ایسے نگران کار کو تبلیغ کرتا ہے کہ واہ! اسلام کیا دین ہے۔ بس ایک اللہ اور باقی خیر صلا۔ اس دین کی سادگی پر کون لوٹ نہ جاتا۔ جس نے ابوجندل کی بات پر کان دھرا اسلام کا قائل ہو گیا۔ اور کفار کے غصہ کا شکار ہو کر ابوجندل کی طرح زنجیروں میں جکڑا گیا۔ لوہے کی کڑیاں پہن کر اوروں کو ایمان کی طلائی کڑیوں کا حلقہ پہنانے میں مصروف ہو جاتا تھا۔ تا آنکہ تین سو کے قریب کفار مکہ میں مسلمان ہو گئے۔ ابوجندل کی قید قریش کی مصیبت کا باعث ہو گئی۔ قتل کر نہیں سکتے۔ زندہ رکھ نہیں سکتے۔ ناچار فیصلہ کیا کہ ان نیک بختوں کو چھوڑ دو۔ کہو جہاں سینگ سمائیں چلے جاؤ۔ چنانچہ ابوجندل ان کے ساتھی اور تمام مفرور مدینہ میں جمع ہو گئے۔ اللہ کے پیغمبر کا کہا سال بھر میں پورا ہو گیا۔ صلح حدیبیہ یقینی فتح ثابت ہوئی۔

فتح خیبر

خیبر کے سردار سلام بن ابی الحقیق یہودی نے بنو قریظہ کے خاتمہ کے بعد پاؤں پھیلانے شروع کیے۔ خیبر یہودیوں کا مرکز اور مضبوط ہونے کے علاوہ زرخیزی اور شادابی میں بھی مشہور تھا۔ ابھی اسلام دشمنی کی تدبیر مکمل نہ کرنے پایا تھا کہ موت نے مہلت نہ دی۔ اس کے بعد اسیر مسندِ ریاست پر بیٹھا۔ تمام یہودیوں کو بلایا اور اسلام کے خطرہ سے سب کو ڈرایا۔ اب تک ہم سب نے سوءِ تدبر سے نقصان اُٹھائے۔ فتح کی حقیقی تدبیر یہ ہے کہ دشمن کے گھر پر حملہ کیا جائے۔ جارحانہ اقدام ہی بہترین مدافعت ہے چنانچہ شرکتِ جنگ کی غرض سے اسیر قبائل کو پابند کرنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو عبداللہ بن رواحہ کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ اُنہوں نے تمام تشویشناک افواہوں کی تصدیق کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عبداللہ کو بھیجا کہ صلح کی کوئی صورت پیدا کریں۔ اُنہوں نے صلح کی ابتدائی شرائط طے کر لیں۔ لیکن اسیر کو بے خبری میں عبداللہ کے قتل کر دینے کی سوجھی۔ مگر عبداللہ وقت پر چوکنّے ہو گئے۔ اِس بدعہدی پر غصہ آیا۔ بڑھ کر حملہ کیا۔ اسیر اسی مقام پر مارا گیا۔ اب تو خیبر کے یہود اور اُن کے حلیف قبائل جوشِ غضب سے آگ بگولا ہو گئے۔ حضرت ابوذر کا بیٹا چراگاہ میں شہید کر دیا گیا۔ ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ قبل اس کے کہ یہود

تمام قبائل ہیں طوفان اٹھائیں۔ اور انہیں آندھی کی طرح مدینہ پر چڑھا لائیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سولہ سو مسلمانوں کی جمعیت سے بڑھے کہ شائد نوبت جنگ نہ آئے اور دشمن مرعوب ہو جائے۔ اس طرح خونریزی کے بغیر امن نصیب ہو سکے۔ لیکن یہودی بہادر سپاہی اور مضبوط قلعوں کے مالک تھے۔ انہیں یقین تھا کہ گھر میں آیا ہوا دشمن سلامت واپس نہ جانے پائے گا۔ یا اگر حالات مدبر بھی ہو گئے تو جب ستوؤں کی رسد کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا۔ تو جس طرح اللہ اکبر کہتے آئے ہیں اسی طرح تکبیریں کہتے لوٹ جائیں گے۔ چنانچہ صلح کی پیشکش کو انہوں نے ٹھکرا دیا۔ اور جنگ کی طرح ڈال دی۔ بہادر یہودی برابر بیس دن تک حملہ آوروں کے ریلوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اسلام کے نامور سپاہی بڑھے اور ناکام واپس لوٹے۔ قلعہ قیموس حورب کے یہودی پہلوان اور جان باز سپاہی کا تخت گاہ تھا۔ ناقابل تسخیر ثابت ہوا۔ مسلمانوں پر مایوسی چھا رہی تھی۔ یک بیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا کہ صبح میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ سے خدا فتح دے گا مخبر صادق کے قول پر کس کو یقین نہ تھا سب صحابہ اس افتخار کو حاصل کرنے کے لیے تمام رات بارگاہ رب العرب میں دعائیں مانگتے رہے اور تمام رات امید کے دروازے سے سر کرتی اور کھولتی رہی اضطراب اور بے قراری نے سب کو کانٹے پر ساری رکھا تھا۔ کہ دیکھئے یہ سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے۔ جب سحر کے سینے سے نور ابل کر نکلا تو بارگاہ نبوت سے آواز آئی

کرسلی کہاں ہے۔ حضرت علی رض ان دنوں آشوبِ چشم کے باعث جنگ
سے معذور تھے۔ اس فردوس گوش آواز کو سن کر اپنے نصیبے کی یاوری پر فخر
کرنے اُٹھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو علم دیا۔ اور دعا فرمائی
حضرت علی رض فتح کا عزم لے کر نہ اُٹھے تھے بلکہ فتح کا یقین لے کر چلے
تھے۔ اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یہود کو لڑ کر
مسلمان بناؤں۔ صلح پسند پیغمبر نے فرمایا نہیں نرمی سے اسلام پیش کرو۔
دیکھو اسلام کا شیر جنگ کو نکلا فتح رکاب تھامے ساتھ چلی۔ بہادر
مرحب قلعہ سے رجز پڑھتا نکلا حضرت علی رض بھی اس طرف بڑھے۔ آن واحد
میں دو سر لڑنے لگے۔ دنیا دم بخود ہو کر تماشہ دیکھنے لگی۔ دونوں پہلوان
موت سے کھیلنے لگے۔ زندگی مایوس ہو کر الگ ہٹ گئی۔ کچھ دیر تلواروں
کو ڈھالوں نے روکا۔ مگر مرحب کی موت کا وقت آگیا تھا۔ خدا کے شیر نے
اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو چیر کر دانتوں تک اتر آئی۔ بہادر مرحب لڑکھڑا
کر گرا۔ سردار کے گرنے سے یہودی سینے تان کر موت سے ہم آغوش ہونے
کے لیے نکلے۔ حضرت علی رض پر عام ہجوم ہو گیا۔ وہ کفر کی گھٹا سے بجلی کی طرح
تڑپ کر نکلے۔ پھر سنبھل کر دشمن پر جا پڑے۔ یہود کے تمام بہادر سردار ایک
ایک کر کے مارے گئے۔ خیبر کے سب قلعے یکے بعد دیگرے مسخر ہو گئے۔
عرب میں یہودیوں کی قوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ غالب مغلوب ہو کر
جانتا ہے کہ بہادر شکست کے بعد کس طرح مجبور ہو جاتے ہیں۔ عرب
کا یہودی جو عسکری اور علمی قابلیت کے لحاظ سے عرب کا حقیقی رہنما

تھا۔ ایک منظم جماعت کے سامنے خاک چاٹ رہا ہے۔ آج اسے غیر سے انتقام کا خوف اور رحم کی امید ہے۔ اگرچہ معلوم وتمس کے لیے موسوی قانون سخت تھا۔ لیکن ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا گیا۔ اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ یہودی پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو دیا کریں گے۔

جنگ موتہ سنہ ۸ھ

قوموں کے اخلاق میں سفیر کا قتل مذموم گنا ہے۔ دربارِ غیر میں ایلچی سے زیادہ بے کس کون ہوتا ہے۔ کسی غریب الدیار پر ہتھیار اٹھانا کتنی بڑی شقاوت ہے۔ حضرت حارث بن عمیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغی خط شرحبیل بن عمرو لبصری کے بادشاہ اور قیصر کے ماتحت کے پاس لے کر گئے۔ حارث شرحبیل کے حکم سے قتل کر دیے گئے۔ بے کسوں کے خون کا بدلہ خون ہے۔ ناممکن۔ شرحبیل نے تو قتل عمد کیا تھا۔ خود بادشاہ اور بڑے شہنشاہ کا نمائندہ معافی کس ۔۔ اگر ۔۔۔ سے بے حال مسلمانوں سے جس کے پاس غرور ہو تو شرافت نہ ہو۔ وہ اظہارِ افسوس کو کب پسند کرتا ہے۔ شرحبیل نے نہ صرف قتل کیا بلکہ الٹی دھمکی دی۔ اگرچہ اسلام اور عیسائیت کی برابر کی ٹکر نہ تھی۔ مگر آزاد اور بہادر اکثر جان پر کھیل کر شرافت کا ثبوت دیتا ہے۔ بنابریں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کردہ زید بن حارثہ کے ماتحت تین ہزار فوج کو شام روانہ کیا۔ تاکہ حارث کا قصاص لے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور ہمارا آقا سپہ سالار بنایا گیا۔ مساوات کے اس مظاہرے سے شیطاں کی گردن جھک گئی۔ جو اسلام لے آئے تھے مگر ان میں ابھی اسلام نہ آیا تھا۔ انھوں نے سرگوشیاں شروع کیں کہ جعفر طیار سا پیارا ابن عم اور عبداللہ بن رواحہ جیسے اولوالعزم صحابی اور دوسرے سردار غلام کے تابع فرمان کر دیے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ چرچے سنے۔ لیکن خاموش رہے۔

مدینہ سے فوج کی کوچ کی تیاریاں ہیں۔ تخیل کی نظر سے دیکھو سب صحابہ الوداع کہنے کو موجود ہیں۔ بیبیاں گھروں سے چھتوں پر چڑھ کر اس نظارہ کو دیکھ رہی ہیں۔ فوج کی تیاری مکمل ہو چکی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور فوج کا سردار گھوڑے پر چڑھ بیٹھا۔ اس نے فخر اور مسرت سے گردن اونچی اور نگاہیں نیچی کر لیں۔ باگیں اٹھائیں وحدہٗ نے کہا ملک شام پر چڑھائی کرنے والے اس بالکے سوار سے کچھ سوال کرو۔ میں نے بڑھ کر باگیں روکیں اور کہا اے حرمین کے سردار اہل دنیا اسلام میں غلام کے درجہ کے متعلق سوال کرے تو کیا کہوں۔ اس نے پیاری پیاری آنکھوں کو اٹھایا۔ اور مسکرا کر جواب دیا کہ دنیا کو کہو۔ کہ بانیٔ اسلام نے غلام سے ایسی بہن بیاہ دی۔ دنیا کے غلاموں کو کہو کہ اسلام نے غلام کو سردار بنا کر شام بھیجا تھا۔ عیسائی جو اتیں انکار کریں تو پوچھنا کہ وہ کون تھا جس نے اسلام اور عیسائیت کے اول معرکہ میں مسلمانوں کی سرداری کی وہ نام بھول جانے کی کوشش کریں تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے غلام زید بن حارثہ کا نام ہے لیا۔

دنیا کے ارباب اقتدار اور مذہبی پیشواؤں کی تاریخ کے اوراق اُلٹ پلٹ کر دیکھو اور بتاؤ کہ عبداللہ کے بیٹے کے سوا وہ اور کون تھا جو سو کام بگڑنے پر بھی غلام سے ایک بار نہ بگڑا ہو۔ اور کون ہے جس نے غلام کو بھنوئی بنایا۔ پھر عزیز و اقارب اصحاب و احباب کی سرداری بخشی ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنامہ غلام اور کمزور انسانوں کی تاریک تاریخ کا روشن باب تھا کمزوروں اور مظلوموں کا اس سے بڑا حامی نہ پہلے پیدا ہوا نہ پھر کبھی ہوگا دنیا میں کوئی ایسا ہے کہ عمر بھر میں ملازم پر ایک دفعہ بھی خشمگیں نہ ہو۔ مالک بن انس کی روایت شاہد عادل ہے کہ میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھولے سے بھی تنبیہ کی۔ کہ یہ کام کیوں کیا یہ کیوں نہ کیا۔ ایسے آقا کے کون قرباں نہ جائے۔

آج آقا کے حکم پر غلام کی قربانی کا حکم آپہنچا۔ جاسوسوں سے خبر پاکر حاکم غسان نے اپنی فوج اور صحرائی قبائل کو جمع کیا۔ اور ایک لاکھ کے لشکر گراں کو لے کر میدان میں اُترا حضرت زید نے مشورہ کیا کہ موافق حالات سے دربار رسالت کو خبر دی جائے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا اس جنگ سے فتح مقصود نہیں شہادت کا موقع کیوں ضائع کریں۔ اس لیے حضرت زید نے شوق شہادت میں باگیں اُٹھائیں نعرۂ تکبیر کہتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ کفر کی گھٹاؤں میں اسلام کی بجلیاں چمکنے لگیں۔ ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ تھا اور کوئی ہوتا تو جی ہار دیتا

یہ مسلماں کا دل جگر تھا کہ نتائج سے بے پرواہو کر موت سے جنگ کی ٹھانی تھی بیرے سینے میں ترازو ہونے لگے تلوار دوست دشمن کو موت کے گھاٹ اُتارنے لگی۔ ہمارا سردار زید دم چھاتی تان کر دشمن پر ٹوٹ پڑا دشمن کی برچھیاں سینے میں تیرنے لگیں۔ علم ہاتھ سے گرا چاہتا تھا کہ حضرت جعفر نے لشکر کی سرداری سنبھالا۔ دیکھو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردہ بستر خاک پر پڑا تاج شہادت پہننے کے لیے ایڑیاں رگڑ رہے اور لوٹتے لگا جنگ میں بہادروں کے ماتم کی مہلت نہیں ہوتی۔ دیکھو جواں ہمت جعفر دشمن کے نرغے میں گھر گئے۔ زخم پر زخم اُٹھا رہے ہیں پھر بھی بڑھے جاتے ہیں۔ ایک ہاتھ کٹ کر ریت پر گر گیا ہے۔ دوسرے ہاتھ میں علم تھام لیا۔ لو دوسرا بازو بھی الگ ہو گیا۔ بہادر اپنے دانتوں میں علم لیے کھڑا ہے تلواریں پڑ رہی ہیں جان زخموں سے نڈھال ہو گئی ہے۔ کوئی کب تک کھڑا رہے آخر ابوطالب کا فرزند زمیں پر گر گیا۔ سرداری کا نشاں حضرت عبداللہ بن رواحہ نے سنبھالا وہ مدتوں سے طلب شہادت میں بے تاب تھے۔ انہوں نے بھی جام شہادت پیا اور واصل بحق ہوئے۔ جب تینوں سردار مارے گئے تو مسلماں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ سردار کس کو بنایا جائے مشورہ کا موقعہ کہاں تھا۔ خالد جو دل سے جہاد کا جذبہ اور سرداری کی قابلیتیں لے کر آئے تھے جھپٹے اور علم اُٹھا لیا۔ غازی پھر نئی ہمت سے ٹوٹ پڑے۔ شام نے تاریکی کا پردہ درمیاں حائل کر دیا۔ فوجیں فیصلہ کن جنگ کے بغیر الگ ہو گئیں۔ لمبی رات نئے انتظام میں گذری صبح سورج جوں ہی غسل کر کے

نکلا۔ پھر خونریزی شروع ہوگئی۔ خالد نے اس ترکیب سے دستوں کو لڑایا
لحظہ بلحظہ دشمن کو نئی کمک آتی دکھائی دی۔ دشمن کو تعجب تھا کہ مٹھی کھ
فوج کل سے اس وقت تک برابر لڑ رہی ہے۔ نئی کمک کے خیال سے
اُن کی کمریں توڑ دیں۔ وہ حالات کو ناموافق پاکر خود بخود پسپا ہونے لگے۔
مجاہدوں نے موقع کو غنیمت جانا غنیمت کا مال لیا اور واپس لوٹے شمشیر زن
خالدؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آٹھ تلواریں اُن کے ہاتھ میں ٹوٹیں۔
عبداللہ بن عمر نے حضرت جعفرؓ کے جسم کو دیکھا تو نوے زخموں کے نشان
پائے بہادر مر جاتے ہیں قوم کو زندہ کر جاتے ہیں۔ ان زندۂ جاوید سرفروشان
کا جنازہ مدینہ میں لایا گیا۔ تمام آبادی تلملا کر باہر نکل آئی مدینہ میں کہرام مچ
گیا۔ جنازوں کو دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہوگئی۔
باپ کی شفقت سے بے خبر حضرت زیدؓ کی چھوٹی لڑکی راہ میں ملی سرکارِ دو عالم
فرطِ غم میں اس پر گر گئے معصوم موت کی جدائی کو کیا جانے کہ جو بچھڑتا
ہے پھر نہیں ملتا اُسے کیا معلوم کہ دنیا جہاں کی برکتیں اُس پر جھکی
ہوئی ہیں۔

اسلام پر غلامی کا الزام لگانے والو۔ دیکھو غلام کی موت پر دو جہاں
کا آقا جن کے آنسو بہا رہا ہے۔ عرب کا فاتح اور دنیا کا مصلح بیٹوں
سے پیارے زیدؓ کی موت پر معصوم بچوں کی طرح رو رہا ہے۔ کون دیانتدار
کہہ سکتا ہے کہ اسلام نے انسان کو غلام بنانا سکھایا ہے آجکل کی سرمایہ داری
تو مزدور کی موت پر استہزا کرتی ہے ڈھٹائی کی یہ حد ہے کہ اس زمانہ میں

اسلام پر غلامی کا الزام تراشا جاتا ہے۔

فتح مکّہ ۸ھ

آخر اس جنت نگاہ مکہ کی فتح کے دن آ گئے جس کی زمین مسلمانوں کو رات کی رنگینی میں رقص کرتی نظر آتی تھی۔ آسمان نیلی پوش محبوب کی طرح مہتاب کا نورانی جام لیے ارضِ حرم سے دور لوگوں کو مئے وحدت کا جام پینے کے لیے اشارہ کر رہا تھا جس کے نشہ سے سب جھوم جھوم جاتے تے۔ مکہ کا مہاجر امن کا شہزادہ اور سلامتی کا پیامبر مسجد میں بیٹھا تھا شکستہ دلوں کی دردناک صدائیں اُٹھیں کانوں کے راستہ برچھیاں بن کر اُتریں۔ اور سننے والوں کے دلوں میں پیوست ہوگئیں کچھ آتش بجاں اور سوختہ ساماں باحالِ پریشاں سامنے آئے اُنھوں نے قریش کے ظلم سے محمد اور خدائے محمد کی دہائی دی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اضطراب سے اُن کو دیکھا اور اطمینان سے اُن کی باتیں سنیں۔ وہ بنو خزاعہ کے دوستدار قبیلے کے آدمی تھے۔ جو قریش اور اُس کے حلیف بنو بکر قبیلے کی غارتگری کی داستاں کہنے آئے تھے قبیلۂ خزاعہ کا رئیس عمر بن سالم استغاثہ لے کر آیا کہ ہمارے حلیف بنو بکر نے قریش کی شہ اور مدد پر جنگ کی آغاز کی ہم حرم میں پناہ گزیں ہوگئے۔ عرب کی قدیم روایات کے خلاف ہمارے پناہ گزینوں کو وہاں بھی ذبح کر ڈالا گیا۔ ہم چالیس آدمی بمشکل بچ کر یہاں پہنچے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خونیں داستان سن کر سخت صدمہ ہوا۔ تاہم امن پسند

آقائے قریش کو کہلا بھیجا کہ مقتولوں کا خون بہا ادا کر دیا جائے یا کم از کم قریش بنو بکر کی حمایت سے دستکش ہو جائیں۔ اگر یہ نہ ہو تو اعلان کر دو کہ مدینہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش فطرتاً بہادر تھے۔ بہادر خطرے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ انہی حوصلہ مندیوں کے زعم میں قاصد سے کہہ دیا کہ جاؤ جا کر کہو کہ معاہدہ صلح ٹوٹ چکا۔ ایلچی ناکام چلا آیا۔ دربار رسالت سے مسلمانوں کو طیاری کا حکم ملا حلیف قبائل کو پیغام بھیجے گئے۔ ادھر قریش کی دلیری پر دور اندیشی نے فتح پائی۔ خیال آیا کہ اسلام کا سرچشمہ باوجود ساری قوت کے ابتدا میں بند نہ ہو سکا۔ اب تو وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا ہے۔ اس کے بہاؤ کو کیسے روکا جائے گا۔ ابوسفیان یہ خطرہ محسوس کر کے تجدید معاہدہ کے لیے مدینہ پہنچا مگر وہاں اسے دشمن دین سمجھ کر کسی نے منہ نہ لگایا۔ ماسوا کو کوئی کب تک بہکا رہنے دے۔ اب فیصلہ کن جنگ درپیش تھی۔ دونوں طرف سے تیاریاں ہونے لگیں۔ سورج جب صبح کی صداقت پر طلائی مہر لگانے نکلا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدسیوں کو لے کر فاران کی مقدس پہاڑیوں پر جلوہ گر ہونے کیلیے نکلے اس طرح انجیل کی صدیوں کی پیش گوئی پوری ہونے کا وقت آ گیا۔ فوج کی نقل و حرکت کو پردۂ راز میں رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اور قریش بے خبر بیٹھے تھے کہ مسلمان مکہ معظمہ سے ایک منزل پر پہنچ گئے فوج نے دور دور تک ڈیرے ڈال دیے۔ جگہ جگہ آگ روشن کر دی گئی۔ تمام صحرا گلزار بن گیا۔ ابوسفیان ساتھ لگا پھرتا تھا۔

،عرب کے یتیم کے جلال کو دیکھ کر مرعوب ہوگیا۔ چاہا کہ اس فوجِ گراں
کی آمد سے اہلِ مکہ کو خبر کرے۔ کہ راستے میں کسی نے اُسے پہچان لیا۔ حضرت
حمزہ نے تلوار سونت کر چاہا کہ سر کو تن سے جُدا کر دیں۔ ابوسفیان کی قسمت
سے حضرت عباس وہاں آنکلے۔ وہ بیچ بچاؤ کر کے سب کو دربارِ رسالت
میں لے گئے۔ مسلسل اسلام دشمنی اور اس وقت کی جاسوسی کی سزا سوت
کے سوا کیا ہوسکتی تھی۔ ابوسفیان دنیا دار اور ہوشیار تھا خطرہ دیکھ کر اسلام
کا اعلان کر دیا۔ اب کس کو جرات کہ اُنگلی اُٹھائے۔ تلواریں میان میں چلی
گئیں۔ ماتھوں کے شکن کھل گئے۔

فتح کی امید میں صبح کو سورج مسکراتا نکلا۔ فوج آراستہ ہو کر بڑھی علمِ
اسلامی ہوا میں لہرانے لگا۔ ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے سپاہی اللہ کا ذکر
کرتے ہوئے چلے۔ آگے آگے فوج اور اُن کے سردار تھے عقب میں
سب کے آقا اور برساتے چلے آتے تھے۔ سرکارِ دوعالم نے مدبر کے
مارے ترکش خالی کر دیے۔ تاکہ تیر چلائے بغیر شہر فتح ہو جائے لیکن
یک بیک تلواریں تڑپ کر میانوں سے باہر آگئیں۔ اور معلوم ہوا کہ قریش
کے ایک گروہ نے تیر برسا کر حضرت خالدؓ کے دستے کے دو نامور مسلمانوں
کو شہید کر دیا خالدؓ کے حملہ سے تیرہ آدمی کھیت رہے۔ باقی تابِ مقابلہ
نہ لاکر بھاگ نکلے اس معمولی سی مڈبھیڑ کے سوا کسی کے نکسیر نہ پھوٹی اسلامی
زمین فتح کے پھریرے اُڑاتیں شہر میں داخل ہوئیں شہر میں داخل ہونے
کے وقت سب کو ہدایت ہوئی کہ ہتھیار رکھ دینے والے سے تعرض نہ کیا

جائے۔ جو بھاگ نکلے اُس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمی اور اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔ جو شخص گھر میں بیٹھ رہے یا کعبہ میں پناہ گزیں ہو مارا نہ جائے جو ابوسفیان اور حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو وہ بھی مامون سمجھا جائے اب اس شہر میں داخل ہونے کا وقت آگیا جس کے رنگین تصور سے دور بیٹھے لطف اندوز ہوئے تھے مگر خوف سے اندر جا سکتے تھے مختلف دستے مختلف راستوں سے مکہ میں داخل ہوئے خوشی اور شادمانی کے وقت - اس کو پہلو میں جگہ دی جاتی ہے جس کی عزت بڑھانا مقصود ہو فتح مکہ کے فاتحانہ داخلہ کے وقت سرورِ دوعالم کے ساتھ اونٹ پر کون بیٹھا ہے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں سے کوئی نہیں۔ وہ سب سر جھکائے ہمرکاب ہیں۔ لو دیکھو خدا کے برگزیدہ رسول کے ساتھ اس وقت زید کا بیٹا اسامہؓ سوار ہے۔ اللہ کا رسول اس فتح عظیم پر اپنے معبود کے احسان میں سر جھکائے سورۂ فتح تلاوت فرما رہا ہے حضرت اسامہؓ طفلانہ خوشی سے اچھل رہے ہیں اور مسرت سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں۔ وحدان نے آواز دی کہ اسامہؓ تیری خاکِ پا کی ضرورت ہے تاکہ تعصب کے اندھوں کے لئے سرمہ بنائیں جو اسلام پر غلامی کو قائم کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔

فتحمندانہ داخلہ کے وقت فاتحین اپنے جلال وجبروت کا نظارہ دکھاتے ہیں مفتوح شہر میں ان کے داخلہ کی ظالمانہ روایات اور سفاکی کی حکایات کی بنا پر لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھیں نہ ملاتے

تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مولا کے احسان کے بوجھ سے سر
جھکائے چلے جاتے تھے۔ شہنشاہوں کے جلوس سے جاہ وجلال ٹپکتا
ہے۔ مگر اس برگزیدہ ناقہ سوار سے انوار کی بارش ہو رہی تھی اور رحمتوں کے
درس سکھے جاتے تھے۔ ناگاہ آپ کی نظر ایک سہمی ہوئی اور سراسیمہ عورت
پر پڑ جاتی ہے وہ جو دنیا کے خوف دور کرنے بھیجا گیا تھا ایسی ہیبت سے
دوسروں کے سہم جانے کو کب برداشت کر سکتا تھا۔ دو جہاں کا آقا ناقہ
سے اتر آیا اور اس بڑھیا سے کہا کہ مجھ سے خوف نہ کریں تو اس عورت کا
بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ وہ داں نے حیرت سے دانتوں تلے
انگلی دبائی اور سر ہلا کر کہا کہ اقتدار پسند لوگ تو ہر وقت اپنی برتری تسلیم کراتے
نہیں تھکتے۔ دنیا میں یہ خدا کا برگزیدہ بندہ پیدا ہوا ہے جو گردن فرازی
کے وقت بھی خاکساری کو زیور اخلاق سمجھتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ فتح تلاوت فرماتے بیت اللہ
میں داخل ہوئے۔ جہاں بت خدائی کرتے تھے گوشہ گوشہ میں جا کر تکبیر
پڑھی۔ اللہ اکبر انسان کی کیا کمزوری ہے مٹی کی مورتی اور پتھر کے تراشے
ہوئے بتوں کو معبود اور شفیع سمجھے۔ ان جھوٹے خداوندوں سے ارض حرم
پاک کر دی گئی۔ بس ایک اللہ کا نام بلند ہوا جس کے سوا کوئی نفع اور ضرر کا
مالک نہیں۔ کعبہ سے بت اٹھائے نہیں گئے بلکہ دلوں سے غیر اللہ کا وہم
مٹایا گیا۔ اوندھے منہ پڑے بت زبانِ حال سے اپنی بے بسی اور خدا کی
برتری کا اعلان کرنے لگے۔ حرم کے باہر خلقت کا ہجوم ہو گیا۔ آپ نے

سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَاثُرَةٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ يُدَّعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ۔

ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر خون اور خون بہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔

اے قوم قریش اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔

لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لیے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو خدا دانا اور واقف کار ہے۔

مساواتِ انسانی اور مساواتِ جنسی کے متعلق کوئی اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہے۔ نسل اور خون کے فخر نے دنیا میں انسانی خون کی ایسی ارزانی کی ہے کہ اس کے تصور سے جان کانپ اٹھتی ہے۔ نسل اور خاندان کی قربان گاہ پر جس قدر بھینٹ دی گئی ہے اس کا اندازہ ہمالیہ سے بھی بڑے کشتوں کے پشتوں اور گنگا جمنا سے بڑے خون کے ندی نالوں سے کیا جا سکتا ہے۔ نسبی فوقیت کی جنگ میں جو جیت جائے وہ آقا اور ار النسیب کا مارا غلام کہلائے۔ غالب قوم سردار اور مغلوب کمین کہلاتی ہے جس کی ساری زندگی غالب قوم کی ٹھوکریں کھانے اور دولتیں اٹھانے کے لیے وقف ہو جاتی ہے۔ کمیں قوموں کی کیفیتِ قلب ان کی اپنی زبانِ بے زبانی سے کیا پوچھتے ہو۔ ہندوستان کے دیہات میں جا کر اب بھی ان کی حالتِ زار ملاحظہ کرو اور جا کر دیکھو کہ اعلیٰ ذات کے لوگوں یعنی اربابِ اقتدار نے اپنے نشۂ حکومت میں اپنے ہم وطنوں اور ہم جنسوں کو کن کن ذلتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ جس میں شرافت ہے، کسی کو کمینہ اور رذیل نہیں سمجھتا۔ البتہ دنی صفت کے لوگ اپنے سوا سب کو کیڑا مکوڑا ہی سمجھتے ہیں۔

شرافت اور نجابت کے مدعی لوگو، اگر تقدیر تمہارے ساتھ مذاق کرتی کہ تم اتفاق سے کمین گھر میں پیدا ہوتے تو کیا باوجود علم و عقل کے تم بھی ٹھوکریں نہ کھاتے۔

آں حضرت نے نسل اور نسب پر فخر کرنے والوں کو یہ کہہ کر تنبیہ کی

کہ تمام انسان ابن آدم ہیں۔ اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے مٹی اور خاک کے پتلے غرور کا پتلا نہ بن یہ غرور آخر خاک میں مل جائے گا موت کے بعد خون حشک ہو جائے گا جسم مٹی بن جائے گا۔ عمل کی بنا پر جو روح میں حُسن پیدا ہوتا ہے وہی غیر فانی ہے باقی دنیا ہیچ اور کار دنیا ہیچ۔

دوست اور دشمن کو اس امر کا اقرار ہے کہ اس گئی گذری حالت میں بھی اسلام ہی وہ برادری ہے جہاں مساوات کی روح نمایاں نظر آتی ہے۔ باقی مذاہب اور سوسائیٹیوں میں اسلامی برادری کی مثال نہیں ملتی۔

بنی نوع انسان کو نہ صرف نسل کی تقسیم اور غلام و آقا کے امتیاز نے مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا بلکہ عورت ہمیشہ تختۂ مشق ظلم بنی رہی۔ اس شخص کو فخر کائنات کیوں نہ کہا جائے جس پر آیت اُتری کہ عورت اور مرد نفس واحد ہے نسلی سیاسی اقتصادی اور جنسی امتیاز اللہ کے نزدیک قبول نہیں کالا، گورا، آقا، غلام، سرمایہ دار، مزدور، مرد اور عورت ان میں سے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔ وہی فائق ہے جس کا عمل اچھا ہے۔

خطبہ کے بعد آں حضرت نے ارد گرد دیکھا۔ سامنے وہ خون کے پیاسے سرداران قریش سر افگندہ شرمندہ کھڑے تھے جن کا مقصد حیات اسلام دشمنی تھا۔ رحمت عالم نے جسے انتقام لینا پسند نہیں تھا مجمع سے پوچھا کہو میں آج تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں لوگوں نے کہا تو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے۔ کدورتوں سے پاک مولانا ان مریدوں کے عجز کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور کہا جاؤ تم پر کوئی الزام نہیں۔ کہو دنیا نے کوئی

ایسا فاتح دیکھا ہے۔ جو اپنے جانی دشمنوں کی عاجزحالت پر رو رونے لگے۔ اللہ اللہ دنیا پر کس پاکیزہ اخلاق کے انسان کا ظہور ہوا۔ جہاجرین نے بڑھ کر کہا حضور ہمارے املاک واپس دلائے جائیں۔ حکم ہوا فاتحین اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں۔ عفو اور رعایت کی اس نرالی شان کو دیکھ کر لوگ پھڑک اُٹھے۔ ڈرے دبکے، بھاگے دوڑے آگئے۔ ایسی رواداری کو دیکھ کر کافر مومن ہو گئے۔

اناجیل میں مذکور ہے کہ "خدا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاراں کے پہاڑ پر طلوع ہوگا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور فاران کے پہاڑ پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ چڑھے۔ ایک پتھر پر بیٹھ کر بیعت لینے لگے آفتاب رسالت کی فاران پر نور پاشیوں نے اناجیل کا کہا پورا کر دیا۔

روسائے عرب کو بیس سال قبل کا وہ واقعہ نہ بھولا ہوگا جب حامل بار نبوت نے کوہ صفا پر چڑھ کر مکہ کے قریش کو پکار کر کہا تھا اے لوگو! پہاڑ کے عقب سے لشکر آرہا ہے۔ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر عذاب نازل ہوگا۔ لوگوں نے اس وقت دل لگی سمجھا تھا لیکن آج وہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔

غزوۂ حنین ۸ھ

اے خدا مجھے وہ طریقہ بتا جس سے میں مسلمانوں کے ذہن نشین کر سکوں کہ غفلت، کم ہمتی اور سوءِ تدبیر سے قومیں فنا ہو جاتی ہیں۔ اسباب پر نگاہ رکھنے ہمت سے کام لینے اور موقع سے فائدہ اٹھانے سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ احد کے واقعہ کے بعد اب ایک اور مرحلہ درپیش ہے جہاں دوستوں کی غفلت نے آں حضرت کو دشمنوں کے نرغے میں ڈال دیا۔

فتح مکہ سے دشمن سہم گئے۔ مگر ہوازن اور ثقیف کے جنگجو قبیلے آتش زیر پا ہو گئے۔ وہ بھی ہمیشہ سے خاک اور خون کے کھیل کو زندگی کا محبوب مشغلہ سمجھتے تھے۔ ان کے نوجوانوں نے سوچا کہ آؤ اپنی ہمت سے اسلام کو نیچا دکھاؤ۔ اور عرب بھر میں نام پاؤ۔ بوڑھوں نے جوانوں کی پیروی کی۔ گھر کے مال و اسباب کی طرح عورتوں اور بچوں کو بھی اونٹوں پر لاد دیا تاکہ میدان میں جا کر گھر کی کوئی کشش باقی نہ رہے۔ ہوازن اور ثقیف کی سرداری مالک بن عوف اور درید بن صمہ کے حصے آئی۔ آخر الذکر سردار سو سال کا بوڑھا مگر جواں ہمت اور صاحبِ تدبیر تھا۔ لوگ اس کی چارپائی اٹھا کر میدانِ جنگ میں لے آئے۔ اس نے جنگی ضرورت کے لیے اوطاس کے مقام کو پسند کیا۔ فوج کو کمین گاہوں میں چھپا دیا۔ ادھر مسلمان بھی سازوسامان سے نکلے

مکہ کی فتح کا نشہ باقی تھا۔ اسلامی فوج برات کی طرح جوش جوش بڑھی ساتھ
ناتجربہ کار نومسلم نوجوان اور کچھ دوست دار قبائل کے غیر مسلم لوگ بھی تھے۔
جونہی اسلامی فوج پھریرے اُڑاتی تیروں کی زد میں آئی۔ ناگاہ ٹڈی دل
دشمن کمین گاہوں سے نکل آیا۔ اور تاک تاک کر تیر برسانے لگا۔ تیروں کی
مارش سے ہوش اُڑ گئے۔ نوجوان جو میدانِ جنگ کو تماشا گاہ سمجھ کر شامل
ہوئے تھے ٹوک دم بھاگ گئے۔ ان کا بھاگنا تھا کہ تیروں کے پاؤں بھی
اُکھڑ گئے۔ اسلامی فوج میں عام بھاگڑ مچ گئی۔ کسی کو اپنا پرایا نہ سوجھا۔
ایک مرسلِ برحق کے سوا سب حواس باختہ تھے۔ غیر متزلزل پیغمبرؐ نے پکار کر
کہا۔ میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔ حضرت عباسؓ کو حکم ہوا کہ مہاجر اور
انصار کو زور سے پکارو۔ حضرت عباسؓ کی پکار کام کر گئی۔ جس نے آواز
سُنی فوراً پلٹا۔ جس طرح بھاگے گئے، حال سے پیارے پیغمبرؐ کو تنہا پاکر
اسی طرح دوڑے واپس لوٹے۔ آن کی آن میں گھمسان کا رن پڑا۔ اُکھڑے
ہوئے جم گئے۔ جمے ہوئے اُکھڑ گئے۔ جنگ کا رنگ بدل گیا۔ صرف
اِسی قدر سوءِ تدبیر سے کہ ناتجربہ کار نوجوان ہمراہ تھے اور بس۔ اتنے سے
بے ضرورت بھروسے نے کہ فاتحینِ مکہ کو اب کون شکست کر سکتا ہے اسلام کو
چند لمحوں کے لیے بدترین مصیبت میں ڈال دیا۔ ایک لمحہ کی دیر اور چند قدم
اور بھاگنے کی بات تھی کہ اسلام کا خاتمہ تھا۔
لیکن اب مسلمان جم کر کھڑے ہو گئے۔ دشمن بار بار اُن کی ہمت کی
چٹان سے ٹکرائے اور ہر بار پیچھے ہٹ گئے آخر بنو مالک کا علمبردار عثمان

بن عبداللہ مارا گیا۔ دشمن کی رہی سہی امیدوں کا خاتمہ ہوگیا دست بدست لڑائی میں ایک دفعہ پسپا ہوکر خدا کی خاص امداد کے بغیر کوئی میدان میں نہیں لڑسکتا۔ دشمن اکھڑ کر نہ ٹھیرا۔ اونٹ اسباب، عورت اور بچے مسلمانوں کے رحم پر چھوڑ خود جان چھپاتا بھاگ نکلا۔

سرکار خدا نے سحن دریدن الصمہ پڑالت کرنے کر اوطاس کے مقام پر آیا حضرت ابو عامر اشعری مختصر سی جمعیت سے کر بڑھے مگر درید کے بیٹے کے ہاتھوں شہادت پائی۔ ربیعہ بن رفیع نے بڑھ کر درید پر وار کیا مگر وار اوچھا پڑا۔ بوڑھے بہادر نے ہنس کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تیری ماں نے تجھے سدھ ہتھیار دے کر نہیں بھیجا۔ ادھر آمیرے محمل سے اچھی سی تلوار نکال۔ مجھے قتل کر کے خوشی خوشی گھر جانا اور گھر کہنا کہ میں درید کو قتل کر آیا ہوں۔

باوجود اس بے مثل شجاعت کے دشمن مسلمانوں کے پُرجوش حملوں کی تاب نہ لاسکا غنیمت میں ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار بھیڑ بکریاں، چھ ہزار اسیر ہاتھ آئے باقی فوج بے سروسامانی کے عالم میں بھاگ کر اوطاس و حیران طائف پہنچی۔ طائف مضبوط چار دیواری سے گھرا ہوا تھا مسلمانوں نے بڑھ کر اس کا محاصرہ کرلیا ہرچند قلعہ شکن آلات استعمال کیے گئے مگر شہر فتح نہ ہوسکا المساں حال تھا کہ اگر محاصرہ اٹھا بھی لیا گیا تو بھی طائف کے لوگوں میں مقابلہ کرنے کی سکت نہیں اس لیے آں حضرت نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دیا۔

باپ دادا کی پیدا کردہ جائیداد پر وارثوں میں جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مالِ غنیمت پر یہ ہی گویا فطرتی بات ہے حضورؐ نے مکہ کے نومسلموں کی تالیفِ قلوب کے لیے مالِ غنیمت میں سے زیادہ حصّہ اُن کو دیا۔ کچھ انصاری نوجوانوں نے سرگوشیاں کیں کہ لڑائی مشکلات میں ہم پڑیں اور مالِ غنیمت غیروں میں بٹے۔ آں حضرتؐ نے یہ چرچے سُنے تو انصار کو طلب فرمایا سب نے نوجوانوں کی ان سرگوشیوں کی تصدیق کی۔

دنیا دار برسرِ اقتدار آکر کسی کی سچی بات کب سنتا ہے۔ اپنی طبیعت کے مخالف باتوں سے برہم ہو کر اس کا مزاج مشکل سے بحال ہوتا ہے۔

کشورِ دل کے حکمراں پیغمبرؐ نے انصار کو تنبیہہ نہیں کی بلکہ اپنی تقریر سے اُن کے دلوں پر وہ افسوں پھونکا کہ سب تڑپ اُٹھے بعض نوجوان الجھا یا تو مالِ غنیمت کا دعوےٰ لے کر آئے یا سب سر صدقہ کرنے اور گھر بار لٹانے کے لیے بے تاب ہو گئے۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا عزیزو جب میرے لوگوں نے مجھے جھٹلایا تم نے تصدیق کی۔ جب انہوں نے مجھے چھوڑ دیا تم نے مجھے پناہ دی میں مفلس آیا تم نے مدد کی۔ لیکن اسا تاؤ کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں گھر لے جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔

جوشِ محبت انصار کے سینے میں نہ سما سکا اک جھرجھری سی آگئی۔ ہر طرف مجلس سے سب پر رقت طاری ہوگئی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے وہ ڈاڑھیں مار کر رونے لگے۔ سب بیک آواز پکارے کہ ہمیں صرف محمد صلعم درکار ہیں۔ اور کچھ درکار نہیں۔

کوئی جماعت کوئی قوم انصار کے ایثار کا لگا نہیں کھا سکتی۔ اسلام کے
یہ بے باک سپاہی جن کی تلواروں سے ہمیشہ کفر کی گردن سے خون گرتا رہا۔
شرک کے طوفان کم ہوتے رہے۔ وہ ہمیشہ دنیا کو دین پر قربان کرتے رہے۔
آں حضرت کی تقصیر بخشی کی شہرت عام تھی۔ رسول کریم کی کرم فرمائی
کی امید پر ہوازن کے سردار اپنے قیدیوں کی رہائی کی درخواست لے کر حاضر
ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ عزیزو اس جنگ میں میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی شریک
لوگ ہیں۔ معاملہ مجھ تک محدود ہوتا تو آج ہی تمہیں خوش کر کے گھر بھیج دیتا
میں اپنے اور اپنے خاندان کے قیدی تو آج ہی چھوڑ دیتا۔ شاید مہاجر اور
انصار بھی میری پیروی کرتے۔ بہتر کہ یہ درخواست لے کر نماز صبح کے وقت
آؤ۔ صبح جب ہوازن کے لوگ مسجد میں آئے تو آپ نے اعلان فرمایا کہ
میں نے اپنے اور اپنے خاندان کے حصے کے قیدی بلا معاوضہ چھوڑ دئے
اس پر تمام مہاجر اور انصار نے کہا حضور ہم نے آپ کی پیروی کی۔ جدید
الاسلام مسلمان اس کو غلط بخشی سمجھ کر مذبذب سے تھے۔ اس لیے آں حضرت
نے ہر قیدی کے عوض اپنی طرف سے چھ چھ اونٹ دے کر سب کو آزاد
کرایا اور سب قیدیوں کو اپنی طرف سے کپڑے بھی عطا کیے۔ اس سلوک
سے ہوازن، ثقیف کے قبیلے دنگ رہ گئے۔ آں حضرت کی سیرت کریمانہ
کا یہ اثر پڑا کہ اسی وقت اکثر سردار ایمان لے آئے۔ مالک بن عوف تو اس
برتاؤ سے جھوم گیا۔

غزوۂ تبوک ۹ھ

اب اسلام نے پورے عرب پر غلبہ پایا۔ امن اور سلامتی کا ہر طرف
دور دورہ ہوا۔ سپاہیوں نے پہلو سے تلواریں ذرا الگ کر دیں۔ سرداروں کو اب
تربیتِ اخلاق پر زیادہ توجہ دینے کا موقع ملا۔ دربارِ رسالت رشد و
ہدایت کا سرچشمہ بن گیا خدا کی رحمتیں بارش کی طرح برسنے لگیں۔ یک
بیک شہر میں شام سے آمدہ قافلہ نے مشہور کیا کہ رومی بڑے لاؤ لشکر سے
مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں حال میں ایران روم کے مقابلہ میں خاک چاٹ
چکا تھا اندریں حالات اہلِ عرب کا مرعوب ہو جانا العجب کی بات نہ تھی
لیکن سالارِ عرب نے دبدبۂ قیصری کو خاطر میں نہ لاکر مسلمانوں کو تیاری کا حکم
دیا۔ مرسلِ برحق باطل قوتوں سے خائف ہو جائے یہ ممکن نہ تھا۔ لیکن بہت
سے منافق جی چرانے لگے۔ کہا کہ عرب کی سرحدات کے پار جنگ کو جائیں تو
گھر بار کو کس پر چھوڑیں۔ کسی نے کہا کہ مہ جبینانِ روم کے حسنِ کیف افزا سے
بدنت اندوز ہونے سے کوئی کیسے بچ سکتا ہے۔ اس لیے اس گناہ کی
دنیا میں کوئی جائے کیوں۔ گرمی کا موسم فصل کا موقعہ۔ بڑی بات یہ کہ خشک
سالی لیکن ان موانع کے باوجود مخلص مسلمانوں نے حکمِ حضور سے سرتابی نہ
کی اور رسولِ مقبول کے اشارۂ ابرو پر قرباں ہونے کو تیار ہو گئے۔ فدائی

جنگ میں کس کس ساز و سامان کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اوّل درجہ کی اسلحہ پوش قوم سے بے سرو سامانی کی حالت میں مقابلہ کرنا ممکن نہ تھا اس لیے حضور نے درستی لشکر کے لیے عام چندہ کی اپیل کی۔ جاں طلبی کے ساتھ زر طلبی بھی طالبانِ دین کو گراں نہ گذری ہر ایک نے اپنی مقدرت سے بڑھ کر امداد کی۔ امیر اور غریب اپنا اپنا مال اسباب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لاکر ڈھیر کرنے لگے۔ حضرت ابو عقیل کی جیب پائی کی متحمل نہ تھی اس لیے رات بھر سقائی کرتے رہے معاوضہ میں چار سیر چھوارے ملے۔ ان میں سے دو سیر بچوں کے لیے چھوڑے اور دو سیر خدمتِ نبوی میں لائے۔ حضرت عثمانؓ تو غنی تھے دل کھول کر امداد کی۔ حضرت عمرؓ نے نصف مال مدینہ کے آقا کے حضور میں پیش کیا نیکی میں مسابقت کا خیال بھی نیکی ہے۔ اس لیے گمان کیا کہ آج اس کارِ خیر میں پر فوقیت لے جاؤں گا۔ حضرت عمرؓ اس خوشگوار تصور میں کھوئے ہوئے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنا حصّہ لے کر آ پہنچے صادق نے صدیق سے فرمایا کہ کہو ابو بکر اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے۔ حضرت صدیقؓ نے کہا کہ حضور میں اللہ اور اس کے رسول کو گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔

جب صدقات کا انبار لگ گیا تو آں حضرتؐ کو ابو عقیل کی مثالی فیاضی کا خیال آیا حکم دیا کہ میرے غریب صحابی کے چھوارے سب صدقات پر پھیلا دیے جائیں۔ خدا دل کے جذبات کا قدرداں ہے مال کی قلت و کثرت درخورِ اعتنا نہیں۔ اس حکم سے یہ اظہار مقصود تھا کہ حضرت ابو عقیل

قربانی میں سب سے بڑھ گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا جوش دیکھ کر دشمن کے ولولے سرد ہوگئے۔ فوج اسلامی شام سے گذر کر تبوک کے مقام تک پہنچ گئی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر اُدھر مہم بھیج کر پتہ لیا مگر کسی کو سر اُٹھانے کی جرات نہ ہوئی۔ اردگرد کے غیر مسلم قبائل جزیہ دے کر امن کے طالب ہوئے۔

مدینہ سے لشکرِ اسلام کے کوچ کے بعد ایک قابلِ ذکر اور فکر یہ واقعہ پیش آیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رض کو مدینہ کا گورنر مائے انتظام سیاست اُن کے سپرد کر گئے۔ منافقوں نے بے پر کی اُڑائی شروع کی کہ علی سے آقا ناراض ہوگیا ورنہ ہمرکابی کے شرف سے علی رض محروم کیوں رہتے۔ منافقوں کی کانا پھوسی سے گھبرا کر حضرت علی رض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرکارِ مدینہ نے تسلی دی اور فرمایا کہ اس پر خوش ہو کہ تیری مجھ سے نسبت ایسی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ سے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہارون ؑ نبی تھے۔ حضرت علی رض کی اس ارشاد سے تسلی ہوگئی اور وہ مطمئن واپس لوٹے۔

حجۃ الوداع

اللہ کا رحم ملاحظہ کرو۔ وہ جو ماں کے پیٹ سے یتیم پیدا ہوا اور جسے کمسنی میں وطن سے نکال دیا گیا۔ آج ملکِ عرب کا والی اور اہلِ عرب کی عقیدتوں کا مرجع ہے۔ اسلام کفر کی ظلمتوں سے نکل کر آفتابِ عالمتاب کی طرح چمکنے لگا۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی نے کہا چلو چل کر اہلِ عرب کے آقا کے ٹھاٹھ دیکھیں۔ دیکھا تو گھر میں کھاٹ تک نہ تھی چوکی پہرے کا نام ونشان نہ تھا۔ ایک بوڑھی عورت راہ میں روک کر کھڑی ہو جاتی ہے تو مسلمانوں کے ہادی اس کی غیر دلچسپ داستاں دیر تک کھڑے سنتے ہیں جب تک وہ دامن نہیں چھوڑتی یہ نہیں ہلتے۔ سرکارِ دوعالم عدی کو گھر لے جاتے ہیں اور چمڑے کے گدے پر بٹھا کر خود زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر عدی کا کفر سر پیٹ کر اس کے سینے سے نکل جاتا ہے۔ اللہ کے رسول نے کہا "عدی لا الٰہ الا اللہ کہنے میں تجھے کیا تامل ہے۔ عدی جذبِ دل سے پکارا۔ سرکار مجھے کیا عذر ہے!

چلو چل کر بے کسوں کو صاحبِ اختیار کرنے والے اور سرکشوں کو سیدھا دکھانے والے کے گھر چل کر سجدۂ شکر کریں۔ محمد رسول اللہ نے حکم دیا چلو مسلمانو! جمع ہو کر اس خدا کی حمد وثنا بیان کریں جس نے ہمیں ملتِ واحد بنا دیا

اس نویدِ جانفزا کو سن کر ایک لاکھ چوالیس ہزار مسلمان اپنے مولا کی ہمراہی میں حج کو روانہ ہوئے۔ یسعیاہ کی کتاب میں اللہ نے بیت اللہ کو مخاطب کر کے کہا ہے "اُٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا۔" (القول یوحنا ٦٠:١) بے شک صاحبِ جلال و جمال نے بیت اللہ پر طلوع ہو کر ایک نیا گیت گایا جس کو سوائے ایک لاکھ چوالیس ہزار کے اور کوئی نہ سیکھ سکا۔ انصاف اور عدل گواہ ہے۔ وہ گیت جو اس دن گایا گیا وہ پہلے نبیوں نے نہ گایا تھا۔ اس کے نغمہ پُر کیف نے دنیا کو آج تک مدہوش کر رکھا ہے اس کی موسیقی میں خُدا جانے کیا جادو تھا کہ روحِ انسانی تا قیامت وجد میں رہے گی۔ چودہ سو سال ہو چکے ہیں۔ اسی گیت کے ترنم سے مشرق و مغرب کی فضائیں گونج رہی ہیں۔

سنو اس حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول کریم نے ناقہ پر سوار ہو کر ایک لاکھ چوالیس ہزار نفوس کو مخاطب کر کے وہ خطبہ دیا جس سے کم نگاہوں میں وسعتِ نظر پیدا ہو گئی اور زندگی کا حقیقی حسن بے حجاب دکھائی دینے لگا۔ رحم حلم اور مساوات کا دنیا میں دور دورہ ہو گیا۔ لوگ فریبِ حیات سے در گذرے اور حقیقی زندگی بسر کرنے کی آرزو کرنے لگے۔ ہاں وہ نغمۂ تقدیس جس سے فطرتِ پاکیزہ جاگ اُٹھتی ہے۔ یہ ہے۔

خطبہ

اے لوگو! میری بات غور سے سنو۔ خُدا جانے آئندہ سال مجھے تم سے

ملنے کا موقع ملے یا نہ ملے آج کے دن اور اس مہینہ کی تم حرمت کرتے ہو۔ اسی طرح ایک دوسرے کا ناحق خون کرنا اور مال لینا تم پر حرام ہے۔ خوب یاد رکھو کہ تمہیں خدا کے حضور حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تمہارے سب کاموں کا پورا جائزہ لے گا۔ اے لوگو جس طرح عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں ان کے ساتھ ملاطفت سے پیش آنا یاد رکھو خدا کی ذمہ داری پر عورتیں تم کو حلال ہوئیں اور اسی کے حکم سے تم نے ان پر تصرف کیا ہے۔ پس ان کے حقوق کی رعایت میں خدا سے ڈرتے رہنا اور ہاں غلاموں کے معاملہ میں دیکھو جیسا تم کھانا ویسا ان کو کھلانا جیسے تم کپڑے پہننا ویسے انہیں پہنانا اگر ان سے کوئی خطا ہو جو تم ان کو معاف نہ کر سکتے ہو۔ تو ان کو جدا کر دو۔ کیونکہ وہ بھی تو خدا کے بندے ہیں۔ ان کے ساتھ سخت برتاؤ کرنا کیا معنی۔ لوگو! میری بات غور سے سنو اور خوب سمجھو۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جتنے کلمہ گو ہیں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ سب مسلمان اخوت کے سلسلے میں داخل ہو گئے تمہارے بھائی کی چیز اس وقت تک تم کو جائز نہیں جب تک وہ خوشی سے نہ دے۔ خبردار ناانصافی کے پاس نہ پھٹکنا میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوط پکڑو گے اور اسی پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ چیز خدا کی کتاب ہے۔ اے لوگو عمل میں اخلاص مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتفاق یہ تین باتیں سینہ کو پاک و صاف رکھتی ہیں۔ حاضرین تم کو لازم ہے کہ میرا کلام لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں سنا دینا کیا عجب وہ شخص

جسے پیغام پہنچایا جائے سننے والے سے زیادہ یاد رکھے"[۵۱] خطبہ کے اختتام پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اے لوگو، قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا کہ میں نے تم سے کیا معاملہ کیا اور تم نے کس طرح زندگی بسر کی تم اس کا کیا جواب دو گے"

چاروں طرف سے ہزاروں آوازیں بلند ہوئیں کہ یا رسول اللہ ہم گواہ ہیں۔ آپ نے خدا کے سب احکام ہم کو پہنچا دیے کوئی نصیحت اٹھا نہیں رکھی اور رسالت کا پورا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپ نے انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھا کر جوش میں تین مرتبہ فرمایا اللّٰھم اشھد اللّٰھم اشھد اللّٰھم اشھد (اے اللہ تو گواہ رہ میں نے حقِ خدمت ادا کر دیا) حق تعالیٰ نے اپنے رسول اور اس کی امت کی تصدیق کی اور اپنی رضامندی کے اظہار میں آیت فرمائی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (ترجمہ میں نے آج کے دن تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے واسطے دین اسلام کو پسند کیا۔ (سورۂ مائدہ، پارہ ۶)[۵۲]

---

۵۱ ابن ہشام صفحہ ۹۶۹، ۹۶۱ روایت مسلم جابر۔

۵۲ بخاری روایت طارق ابن شہاب کتاب تفسیر القرآن۔

سچے گھر کو واپسی

اَکملتُ لکُم دِینکُم آیت اُتری تو معلمِ دیں نے سمجھ لیا کہ رحلت
کا وقت آگیا۔ اب سمدررں کا آثار ہوچکا تھا کفر و شرک کی ظلمت اسلام
کے نور سے کافور ہو گئی تھی۔ اپنے مشن میں کامیابی کتنی خوشی کا باعث
ہوتی ہے۔ سرکارِ دو عالم نے اطمینان کی نظر سے اپنی کاوشوں کے نتیجہ کو
دیکھا۔ وہ احباب یاد آگئے جن کی موت نے اسلام کو زندگی بخشی تھی کہ کاش
وہ زندہ ہوتے اور آج کی خوشیوں میں شریک ہوتے اور یہ دیکھ کر خوش ہوتے
کہ اسلام کی ضیا باری سے تمام عرب روشن ہے اور اللہ اکبر کی صدائے
بازگشت سے یثرب و بطحا کی پہاڑیاں گونجتی ہیں۔ سرورِ کائنات کو یادِ
رفتگاں نے بے تاب کر دیا۔ وہ بار بار دامنِ خاک میں منہ چھپائے ہوئے
دوستوں کے پاس جا کر دعا کرکے اپنی محبت کی بے تابی کو کم کرتے تھے۔
ان کی مفارقت کے داغ کو تازہ کرتے اور اُن کے لیے مغفرت چاہتے۔

آفتاب غروب ہونے سے پہلے کیسا خوبصورت اور جاذبِ توجہ
ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری ایام میں پہلے سے
زیادہ ہر دل پر حکمراں بن گئے۔ اصحاب میں سے جو دیکھتا اُسے آپ کا
چہرہ بہار نظر آتا۔ موت سے کس کو مفر ہے آخر حضور مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔

عبادت کے لیے لوگ آتے جاتے رہے اور مصحفوں کے اموال موتی لے
جاتے رہے۔ نبیوں اور نیکوں کو شرک سے کتنا خوف ہوتا ہے۔ بستر
مرگ پر استیصال شرک کے درپے رہے۔ شرک انسان کی سب سے بڑی
کمزوری ہے اور ہر قسم کی کمزوری کو دور کرنا نبوت کا مقصد ہوتا ہے چنانچہ
موت سے پانچ روز پہلے فرمایا خدا یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں
نے انبیا کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا۔ (فرمایا) اس قوم پر خدا کا سخت غضب
ہے جنہوں نے مزارات انبیا کو مساجد بنایا۔ دیکھو میں تم کو اس سے منع
کرتا ہوں۔ حق کو میں تبلیغ کر چکا خدایا تو اس کا گواہ رہ۔ خدایا تو بھی
کا گواہ رہ۔

یہ چھوٹے فقرے کتنے گہرے اور کیسی بڑی بے مائی کی شہادت
ہیں۔ افسوس ہے امت کے ان لوگوں پر جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی بے تابانہ نصیحتوں پر عمل نہ کریں اور اینٹ پتھر کی عمارتوں کے سامنے
شرفِ انسانی کو ڈھیر کر دیں۔

بیماری کے حملہ سے نڈھال نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) دو آدمیوں کے
کندھوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ فرمایا کسی کا مجھ پر کوئی حق
ہو تو کہے۔ کسی نے عرض کیا حضور ایک سائل کو آپ نے تین درہم دلوائے
تھے وہ واجب الادا ہیں۔ یہ قرض فی الفور ادا کر دیا گیا۔ زندگی کے آخری
ایام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رد عمل نادہند مسلمانوں کے لیے سامان
عبرت ہے اوّل قرض لینا اور پھر نہ دینا اندھیر ہے اسلام ایسی بے

الصاعیوں کا متحمل نہیں راہِ نجات اسوۂ رسول میں ہے اوّل فرض ہ
لو۔ لیا ہے تو موت سے پہلے ادا کرو۔

موت سے قبل عشا کی نماز کے لیے تین دفعہ تیاری کی ہر بار طاقت
نے جواب دیدیا۔ آپ وضو کرتے ہی بے ہوش ہوگئے۔ نماز باجماعت میں یکجوں
کے لیے کتنی کشش ہے بڑی حسرت سے فرمایا اچھا ابوبکر صدیق رضی نماز
پڑھائے تعمیلِ حکم میں حضرت ابوبکر مصلے پر تو کھڑے ہوگئے مگر دنیا آنکھوں
تلے اندھیر ہوگئی طبیعت پر رقت طاری ہوگئی۔ ان کی اور صحابہ کی
آنکھوں سے آنسو نکلے۔ صحابہ کے رونے کی آواز نے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کو بے تاب کر دیا اور آہستہ آہستہ مسجد میں تشریف لائے اور
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھ کر نماز پڑھائی
بعد نماز فرمایا۔

مسلمانو! میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا کی پناہ اور تائید
اور نصرت کے حوالے کرتا ہوں۔ خدا تم پر میرا خلیفہ ہے۔ تمہارے تقویٰ
اور اطاعت سے وہ تمہاری نگرانی فرمائے گا۔ بس میں اب دنیا سے علیحدہ
ہونے والا اور چھوڑنے والا ہوں۔

اب آخر کا دن آپہنچا۔ کمزوری نے مسجد جانے کی سکت نہ چھوڑی
تھی۔ اس لیے صبح آپ کے حجرہ کا پردہ اٹھا دیا گیا۔ تاکہ مسجد رکوع سجود کا
پاک نظارہ آنکھوں کے سامنے رہے۔ آپ نے دیکھا کہ صفیں درست
ہیں اس حسین نگاہ نظارے نے چہرے کی زردی کو بشاشت سے بدل دیا۔

اور ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ کھیلنے لگی ۔ آپ پھر ہمت کر کے اٹھے ۔
صبح کی نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں ادا کی ۔ حجرہ میں واپسی پر
نزع کی حالت طاری ہوگئی ۔ رنگ آنے جانے لگا اور طبیعت کا اضطراب
بڑھ گیا ۔ اس حال میں فرما رہے تھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ
اب آنکھوں کے آگے موت کا اندھیرا چھا گیا ۔ تو نورِ نظر فاطمہ سے فرمایا ۔
باپ کو بچوں سے جدا کرنے والی مرگ ہے ۔ زہرا بتول رو دیں شفیق باپ
نے بستر مرگ پر پڑے ہوئے دستِ مبارک سے بیٹی کے آنسوؤں کو پونچھا
فرمایا کہ ہم نہ روئیں ۔

موت جس کا بھیانک تصور سروں کا زہرہ آب آب کر دیتا ہے روبرو
ہے مگر خدا کا فرستادہ درد و کرب کی شدت کے باوجود خلق خدا کی محبت
کا خیال دل سے نہیں بھلاتا اور وقت آخر حضرت علی کو لونڈی غلام سے
حسن سلوک کی نصیحت ہوتی ہے فرمایا علی لونڈی غلام کے بارہ میں
خدا کو یاد رکھو ۔ انہیں خوب کھلاؤ پہناؤ ۔ ان کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے
بات کرو " جس کے قلب کی کائنات میں مخلوق کی محبت کی فراوانی نہیں
وہ حسن ازل سے شاد کام کب ہو سکتا ہے ۔ بستر مرگ پر کیا اچھا پیغام ہے
کہ کمزور اور مجبور کی محبت سے دل کی دنیا کو آباد رکھو ۔ کہیں ان کے شکستہ
دل کی صدا فرش سے عرش پر جا پہنچے مظلوم کی آہ بے اثر نہیں لوٹتی ۔
غلاموں کی حوصلہ فرسا مجبوریوں کا اثر قلبِ پیغمبر میں نہ ہو تو اور کس میں ہو آؤ
ارمانِ احتیاج کمزور اور مجبور کے کام آنے کا جذبہ پیدا کریں کیونکہ کشورِ دل

کے دربارہ وا آخری نبی کا یہی آخری فرمان ہے۔

آفتاب رسالت ۶۳ برس کے بعد غروب ہوگیا۔ ایک عالم گواہ ہے کہ اُمّی نے علم کے دریا بہادیے۔ اور اس کے فیض صحبت سے ذرے آفتاب بن گئے۔ سب سے اہم یہ کہ مسلمانوں کے عمل کی بنیاد جہد للبقا کے ستر انگیز اصولوں پر رکھی گئی۔ بلکہ حدیث حلق ہی بہترین عمل قرار پائی۔

آؤ یثرب بطحا کے امراء اور عرب کے آقا کی جائداد کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ حضور نے موت کے بعد زر و جواہر کے کتنے ڈھیر گھر میں چھوڑے۔ کونہ کونہ چھان مارنے کے بعد سرورِ عالم کا سرمایہ کچھ نہ نکلا۔ نہ لونڈی نہ غلام نہ بھیڑ نہ بکری۔ سارے عرب کے بلا شرکت حکمراں کا اثاث البیت بجز چند ہتھیاروں کے کچھ نہ تھا۔ ہادیٔ برحق نے عمر بھر مبتلائے مصیبت رہ کر بنی نوع انسان کو بار مذلت سے نکالا۔ آپ کی عرب کی زندگی ہر مسلمان کے لیے مشعل ہدایت ہے اور ہر مومن کا فرض ہے کہ انسانیت کی تعمیر کے لیے اپنے اوقات کو وقف کر دے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

مصری الیکٹرک پریس لاہور
میں باہتمام منشی محمد اسحٰق چشتی اور شیخ عنایت اللہ منیجنگ ڈائریکٹر
تاج کمپنی ریلوے روڈ لاہور سے شائع کی۔